ماہنامہ

رائے بریلی

پیام عرفات

اصلاح معاشرہ نمبر
(اپیل دوئم کا مشترکہ شمارہ)

بہتر سماج کی تشکیل

''ہر اس شخص کے لیے جسے اس ملک سے محبت ہے، لذیذ ترین، عزیز ترین، مقدس ترین کام یہ ہے کہ اگر بھیک بھی مانگنی پڑے، خیرات کے ٹکڑے بھی جمع کرنے پڑیں، جھولی بھی پھیلانی پڑے، حتیٰ کہ کسی مفلس کے چراغ سے بھی روشنی حاصل کی جاسکتی ہو تو اسے حاصل کر کے ایک ایسے سماج کو وجود میں لایا جائے جو ظلم سے ساز باز نہ کرے، جس میں خوفِ خدا ہو، جس میں حق بات کہنے کی جرأت ہو اور وہ ظالم کو ظالم کہہ سکے اور مظلوم کو مظلوم، یہ اس ملک کی موت اور زندگی کا مسئلہ ہے، ہمارے فراخ دل اور روشن خیال رہنماؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسا سماج بنائیں جس میں ظلم سر نہ اٹھائے اور اگر اٹھائے تو کچل دیا جائے''۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

APR-MAY 12

ہندوستانی مسلمان

''اگر اجازت دی جائے تو میں بڑے ادب کے ساتھ ایک بات اور عرض کروں گا، وہ یہ کہ ہندوستانی مسلمان خدا کے فضل سے بڑی حد تک اسلام کے معاملہ میں خود کفیل ہیں، وہ اسلام کے اولین وحقیقی سرچشموں کتاب وسنت، اور اسلام کے اولین علمبرداروں کی سیرت وکردار، ان کی قربانی وایثار اور ان کی اولوالعزمی وحوصلہ مندی کی جلائی ہوئی شمع سے روشنی حاصل کرتے ہیں، انہوں نے اپنا عقیدہ وایمان، اپنا حال ومآل، اسلام کے چمکتے ہوئے سورج کے ساتھ وابستہ کیا ہے، مسلم اقوام یا عرب ممالک کے ابھرتے ڈوبتے ستاروں یا ٹمٹماتے چراغوں سے نہیں، وہ آنکھ بند کر کے ان میں سے کسی کی انگلی پکڑ کر چلنے والے نہیں، نہ انھوں نے ان میں کسی کی اسلام کے ساتھ وفاشعاری کو اپنی وفاشعاری کی شرط قرار دی ہے، انہوں نے اللہ کے بھروسہ پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنے سینے سے لگائے رکھنا ہے، خواہ دنیا کی کوئی قوم (عرب ہو یا عجم) اس سے بے تعلقی یا روگردانی اختیار کرے، اگر عرب یا دوسرے ممالک کے مسلمان اپنی پرانی تہذیبوں اور قدیم فلسفوں کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ان کا دم بھرنے لگتے ہیں تو ہم انشاء اللہ وحدت اسلامی اور شریعتِ اسلامی کا دم بھرتے رہیں گے، ہم اسلامی اصولوں اور اسلام کے مسلکِ زندگی کے معاملہ میں کسی قسم کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس ملک میں اور اس ملک کے باہر اپنی اس اصول پسندی اور وفاشعاری کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، ہمیں بہت سے ان منافع ومواقع سے آنکھیں بند کرنی پڑیں گی جو ہوا کے رخ پر چلنے والی ملتوں اور فرقوں کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن ہمارا یقین ہے کہ ہمارا خدا اگر ہم سے راضی ہے اور ہم خلوص وفہم کے ساتھ اپنے اصولوں پر قائم ہیں تو ہمارے لیے کوئی تنگی اور ہماری قسمت میں محرومی نہیں لکھی ہے، اس لیے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ساری کائنات ارادۂ الٰہی کے تابع ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، ہمارا مسلک اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ؎

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہِ یار سلامت! ہزار میخانے''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (روداد چمن: ۱۱۷/۱۱۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

اس شمارہ کی قیمت:- /Rs.20

جلد نمبر ۴ | اپریل-مئی ۲۰۱۲ء - جمادی الاول-جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ | شمارہ نمبر ۴-۵

فہرست مضامین

اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں (اداریہ)..........۲
ہمارا کردار غیر مسلموں میں..........۳
غیبت-آپسی تعلقات کی خرابی کا اہم سبب..........۵
مخلوط تعلیم اور اس کے مفاسد..........۷
مانگنے والا گدھا ہے صدقہ مانگے یا جہیز!..........۱۰
کامیاب زندگی کا راز..........۱۲
اسلام کا نظام معاملات..........۱۶
نکاح وطلاق کے ناجائز رسوم اور غلط طریقے..........۱۹
قرآن کریم کا تصور مال..........۲۲
مسلم معاشرہ میں عورتوں کے حقوق..........۲۵
جہیز کی تباہ کاری..........۲۹
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دینے والا انجیل کا نسخہ برآمد..........۳۱
خوشگوار ازدواجی زندگی کے رہنما اصول..........۳۲
اولاد کی تربیت کا اسلامی طریقہ..........۳۴
اذان-دنیا میں ہر وقت گونجنے والی آواز..........۳۶
آپ کے دینی سوالات اور ان کے جوابات..........۳۷
مسلم لڑکیاں-تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری..........۳۸
اصلاح معاشرہ کے متعلق چار نکاتی پروگرام..........۴۰

مرکز
الإمام أبي الحسن الندوي

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دار عرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپئے　سالانہ: ۱۰۰ روپئے

www.abulhasanalinadwi.org
Fax: 0535-2211386
Mail: markazulimam@gmail.com

مرکز الامام أبی الحسن الندوي دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

اداریہ

اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سماج کے بگاڑ کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس کی مختلف صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، جس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ انسان نے اپنی انسانیت کو فراموش کر دیا ہے، اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات میں انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کے اندر سمجھ رکھی گئی ہے وہ اچھے برے میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، انسانی قدروں کی اس کے یہاں ایک قیمت ہے جس کو ہر وہ انسان محسوس کرتا ہے جس کے اندر انسانیت کا بھرم قائم ہے، یہ انسانی قدریں ہر دور میں باقی رہی ہیں اور ان کی قیمت سمجھی گئی ہے لیکن ادھر چند صدیوں سے جس کو ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے انسانی قدروں کی جس طرح پامالی کی گئی ہے وہ شاید اس انداز سے پہلے کبھی نہیں کی گئی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی قدروں کی پامالی کو ایک فلسفہ کی شکل دے دی گئی، الفرائڈ کے نظریہ اباحیت نے جس پر یورپ کے فلسفہ کی بنیاد ہے اس میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، اس فلسفہ نے انسان اور جانور کے فرق کو مٹا دیا ہے جس طرح ایک جانور کے سامنے کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں اور نہ وہ اچھے برے کے فرق کو سمجھتا ہے وہی صورت حال ایک انسان کے ساتھ بھی پیدا کی گئی ہے جس کو اللہ نے شعور جیسی اہم دولت سے نوازا ہے۔

ایک انسان کے سامنے آج سب سے بڑی چیز خود پسندی اور لذتیت ہے، اس کو سکھایا جاتا ہے کہ ہر وہ کام کیا جائے جس میں مزہ آئے اس کے نتائج کچھ بھی ہوں اور کسی پر اس کی کیسی ہی زد پڑے یورپ کے اس فلسفہ نے پورے یورپ کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے، انسانی قدروں کی وہاں کوئی قیمت نہیں سوائے چند مظاہر کے جس کو دیکھ کر حقیقت سے ناواقف ایک انسان دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یورپ کے اس فلسفہ نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے مشرقی ممالک جن کی اپنی ایک تہذیب تھی وہ بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں، جس کے نتیجہ میں یہاں کا معاشرہ بھی کرپٹ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

سماج کی فکر کرنے والوں کے لیے یہ بات بہت ہی قابل توجہ ہے کہ وہ سماج کی تمام برائیوں کی طرف نگاہ رکھیں، مسئلہ صرف دو چار چیزوں کا نہیں ہے، عام طور پر لوگ صرف چند رسموں کی اصلاح کو ہی معاشرہ کی اصلاح کا نام دیتے ہیں، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ جب تک سماج کی تمام برائیوں کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی اس وقت تک صرف چند رسموں کی اصلاح سے سماج کو بلند مقام پر لایا نہیں جا سکتا، اگر غور کیا جائے تو ان تمام برائیوں کے پیچھے دو بنیادیں نظر آتی ہیں، ایک دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور دوسری بڑھتی ہوئی بے حیائی۔ جہیز کے مطالبے، شادیوں کی فضول خرچیاں، میراث کی صحیح تقسیم نہ کرنا، پھر مخلوط تعلیم اور اس کے نتیجہ میں خاندانوں کا شیرازہ منتشر ہونا، یہ سب چیزیں ہمارے سماج کی پیشانی پر کلنک کے ٹیکے سے کم نہیں ہیں، پھر اس میں بڑا کردار پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کا ہے جس نے برائیوں کو فنکاری بنا دیا ہے، اور یہ ہمارے ملک کے قائدین نے ان خباثتوں کو ہری جھنڈی دینے کا ارادہ کر لیا ہے، جن برائیوں کو اب تک یہاں برا سمجھا جاتا رہا ہے، اب ان کو برائیوں کے خانے سے نکال کر ''فن'' کے خانے میں فٹ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس صورت حال میں سب سے بڑی ذمہ داری ہم مسلمانوں کی ہے، ہمارے پاس وہ بلند اخلاقی قدریں ہیں جن کو دنیا پامال کر چکی ہے، انسانیت کا وہ جوہر اب بھی مسلمانوں کے اندر موجود ہے جس سے دنیا کی دوسری قومیں خالی ہو چکیں، ہمیں اس کی روشنی کو بڑھانے کی ضرورت ہے، مسلمانوں کے سماج میں جو غیر انسانی معیار داخل ہو رہے ہیں، ان کو روکنے کی ضرورت ہے، خاص طور پر دولت کی محبت اور بے حیائی کی لعنت جس کا مسلمان بھی تیزی سے شکار ہو رہے ہیں، اور یہ دونوں چیزیں مسلمان معاشرہ میں ایک سیلاب کی طرح داخل ہو رہی ہیں، اس کے لیے باندھ باندھنے کی ضرورت ہے، اور یہ کام صرف چند لوگوں کا نہیں ہے بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں کو مل کر یہ کام کرنا ہوگا ....(بقیہ صفحہ نمبر ۴۲ پر)

مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

ہمارا کردار غیر مسلموں میں

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی، دعوت کے عمل اور جہاد کے عمل پر مشتمل ہے اور دونوں کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے پوری روشنی ملتی ہے اور اسی سے رہنمائی اور طاقت حاصل کرنا ہے، اپنے ذاتی رجحان پر نہیں لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ غیروں سے ہم کو جو تکلیفیں پہنچیں، اور طاقتور دشمنوں سے جو اذیتیں پہنچیں، انہوں نے ہم میں ایک ردعمل پیدا کردیا جو انتقامی جذبہ کی صورت میں جگہ جگہ ظاہر ہورہا ہے، انتقام لینا ہر مظلوم کا حق ہے اور اگر مظلوم میں انتقامی کیفیت پیدا ہوئی تو اس کے اس طرز عمل کو بغاوت کی بات سمجھی جائے گی، اور مظلوم کو اسلام کی طرف سے انتقام کا پورا حق دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ صحیح نہیں کہ انتقامی جذبہ میں خطا کار اور بے خطا کار کا کوئی فرق نہ کیا جائے، اور ظالم سے غصہ ہوکر اس سے تعلق رکھنے والے ایسے شخص پر بھی غصہ اتار دیا جائے جس نے ظلم نہیں کیا، پھر یہ دیکھنا عقل کی بات ہے کہ انتقام لے لینے اور غصہ اتار لینے کے علاوہ بھی کوئی دوسری بات نفع بخش ہوسکتی ہو تو اس پر بھی غور کیا جائے اور اختیار کرنے کے لائق ہو تو اختیار کیا جائے، اور ظالم کا مطالعہ کیا جائے، اور یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ اس کے ظلم کے نیچے کوئی ایسا سبب تو نہیں جس کا تعلق ہماری کسی کمزوری یا غلطی سے ہو۔

نبی آخر الزماں حضور ﷺ نے دین کا کام دعوت سے شروع کیا، اور دعوت میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کو تسلیم کرایا اور بندگی کے تقاضے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ عام انسانی ہمدردی اور مکارم اخلاق کو وطیرہ بنایا، یہی وجہ تھی کہ لوگوں کو آپ ﷺ کی دعوت سے اختلاف بلکہ مخالفت کے باوجود آپ ﷺ سے ہمدردی تھی جو آپ ﷺ کو امانت دار، سچا، اور نیک طبیعت سمجھنے کے واقعات سے ظاہر ہے۔ ابوجہل نے ایک بار آپ ﷺ کو سخت زبانی ایذا پہنچائی، آپ ﷺ نے موقع ایسا محسوس کیا کہ سخت لفظ استعمال فرمائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ بات لایا ہوں کہ جس کے ذریعہ تم لوگ کٹو گے، اس پر لوگ یہ کہنے لگے، محمد صاحب آپ تو نادرست اور ناگوار رویہ اختیار نہیں کیا کرتے تھے، یعنی دشمنوں نے شہادت دی کہ آپ کا رویہ عموماً صبر کا رہا۔

آپ ﷺ جہاں نرم اور متحمل تھے کہ آپ ﷺ کے دشمن بھی یہ کہیں کہ آپ ایسا سخت رویہ اختیار نہیں کیا کرتے تھے وہاں یہ بات بھی تھی کہ جہاد وقتال کا موقع آیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے بھی ضرب وقتال کیے، اور اس میں کوئی ڈھیلا پن اختیار نہیں کیا، آپ ﷺ کی مکی زندگی اپنا علاحدہ رنگ رکھتی ہے اور مدنی زندگی علاحدہ رنگ، اور دونوں میں کبھی کبھی وہ لمحات بھی آئے جس میں طرز مختلف ہوجاتا، یہ سب موقع محل کا لحاظ رکھنے اور مقصد پر نظر رکھنے سے ہوتا تھا، چنانچہ طائف جب آپ ہمدردی حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں ہمدردی نہیں ملی بلکہ نہایت غیر انسانی طریقہ سے آپ کو مایوس کیا گیا اور اذیت پہنچائی گئی تو اس پر خدائے تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک فرشتہ بھیجا گیا کہ آپ کہیں تو پہاڑوں کے درمیان یہ رہتے ہیں پہاڑوں سے دبا دیے جائیں، آپ نے دکھے دل کے باوجود یہ فرمایا کہ نہیں! اگر یہ نہیں تو ان کی اولاد حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائے گی۔

ہم اگر مسلمانوں کے درمیان رہ رہے ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ اور اگر غیر مسلموں کے درمیان ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ رواداری برتنے کے حالات کون سے ہیں اور انتقامی جذبہ اختیار کرنے کے کون سے ہیں؟ پھر یہ دیکھنا کہ محض دشمن کی شرپسندی سے حالات میں خرابی ہے یا ہماری کوتاہی اور بے توجہی کو بھی دخل ہے، ان باتوں پر نظر رکھتے ہوئے طریقۂ

عمل اختیار کرنا سمجھداری ہے۔

ان باتوں کا اگر ہم منصفانہ جائزہ لیں تو کم از کم ہندوستان کے اس ملک میں ہماری کوتاہی کا بھی اچھا خاصا حصہ نکلے گا، ہم نے اسلام کی تعلیمات کو واضح کرنے اور مسلمانوں کی انسانیت دوستی کے کردار کا مظاہرہ کرنے میں بڑی کوتاہی کی ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض وقت ہم کو اپنے پڑوس میں کئی کئی دہائی تک غیر مسلموں سے واسطہ پڑا ہے لیکن ان کو یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ کیا کردار بتایا گیا ہے، اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام کا موٹا موٹا مطلب کیا ہے، اس کے برعکس اس کو مسلمانوں سے خوف معلوم ہوتا ہے، اس نے صرف یہ سنا ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف صرف مار دھاڑ کرتے رہے، اور اب ان کے یہ اخلاف بھی کچھ ایسے ہی خطرناک جذبات کے لوگ ہیں، پھر ان کے لیڈر اور بھی جھوٹی سچی باتیں بتا کر ان مسلمانوں کو بالکل مشکوک بنا کر نفرت سے دل بھر دیتے ہیں، ایسی صورت حال میں کیا ہماری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کو اسلام کے متعلق اور مسلمانوں کے متعلق بتائیں؟ ان کی صحیح تصویر ان کے سامنے رکھیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں ایک اعلیٰ تصور پیدا کرنے کی کوشش کریں؟

اس ملک میں غیر مسلموں کا اسلام کے بارے میں تصور صحیح کرنے کی کوئی صورت نہیں رہی، اس کام کی طرف توجہ کم سے کم تر ہے! ہندوستان جیسے ملک میں جس میں متعدد المذاہب قومیں رہتی ہیں اور مسلمان اقلیت میں بھی ہیں، غیر مسلموں کی اسلام و مسلمانوں کے بارے میں جو غلط معلومات ہیں ان کو درست کرنے کی کوشش بہت ضروری ہے اور اسلام کا جو روشن چہرہ ہے اس کو دکھانے کی کوشش کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ کام دعوت کا بھی ہے اور دعوت کا کام دیگر تمام طریقوں پر مقدم اور ان سے افضل ہے، اس کے بعد دوسرے طریقے آتے ہیں جن کو حسب ضرورت اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں نے وہ تمام اخلاقی اور انسانی کمزوریاں اور برائیاں اختیار کرلی ہیں جو غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں، اور محض مردم شماری کے لحاظ سے مسلمان ہونے پر یہ توقع قائم کیے ہوئے ہیں کہ غیر مسلموں سے ان کے سب اختلافات معرکۂ حق و باطل ہیں اور مقابلہ پڑ گیا تو غزوۂ بدر جیسی مدد ان کے لیے بھی آئے گی، اس وقت افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ ہماری سیرت و کردار کمزور، ہماری سنجیدہ کوشش و جد و جہد ناقص، ہماری حکمت عملی غیر مدبرانہ، ہمارے جذبات بے قابو، ہمارا تعلق مع اللہ مشکوک اور غیروں میں ہمارا تصور خراب ہے، ایسی صورت میں صرف طلاقتِ لسانی اور گرم لہجے اور گرم مظاہروں سے کہاں تک کام چل سکتا ہے؟! ہمارا کام سنجیدگی کے ساتھ موقع و محل کا لحاظ کرتے ہوئے، حکمت عملی اختیار کرنے، اپنے کردار کو درست کرنے اور نرم گرم دونوں موقعوں کے لیے حضور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اجتماعی زندگی کے مختلف النوع حالات سے نمٹنے کی جو سنت رہی ہے اس کو اختیار کرنے سے ہی چلے گا، اس حقیقت کو ہمارے قائدین کو بھی سمجھنا ہے اور عام مسلمانوں کو بھی سمجھنا ہے!

بقیہ: اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

.... آگ جب لگتی ہے تو سب کو دوڑنا پڑتا ہے اور جو جس سے بن پڑتا ہے وہ کرتا ہے کہ کسی طرح آگ بجھ جائے، آج برائیوں کی آگ جو گھر گھر لگ رہی ہے اس کو بجھانے کے لیے سب کو آگے آنا ہوگا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے یہ مشن میں شامل ہے، یقیناً یہ بات بہت خوش آئند ہے لیکن تنہا بورڈ کے ذمہ داروں کا یہ کام نہیں ہے، وہ رہنمائی فرماتے ہیں اور طریقۂ کار امت کے سامنے رکھتے ہیں، اب ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مشن میں شریک ہو اور جس جس سے ہو سکے وہ بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لے، خاص طور پر اس مشن کا آغاز اپنے گھروں سے کیا جائے، معاشرہ افراد سے بنتا ہے، اگر ایک ایک فرد اپنی اپنی اصلاح کی کوشش شروع کردے گا تو معاشرہ کی اصلاح انشاء اللہ خود بخود ہوتی چلی جائے گی، یہ بڑے بڑے جلسے اور اس کی سب تیاریاں اسی لیے ہیں کہ یہ فکر ہر خاص و عام میں پیدا ہو جائے۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

غیبت

آپسی تعلقات کی خرابی کا اہم سبب

اجتماعی حیثیت سے ہمارے معاشرے کو جس چیز نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا وہ غیبت ہے، یہی دراصل وہ روگ ہے جو ہماری اجتماعی شیرازہ بندی اور ملی وحدت کے راہ میں ایک سنگ گراں ہے، لیکن ہم غور کریں تو سوسائٹی کے ہر طبقہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں غیبت کی کارفرمائیاں قدم قدم پر نظر آئیں گی، اور ایسا معلوم ہوگا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی زندگی کو اس سے نجات حاصل نہیں ہے، کام و دہن کو اس کے گناہ سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کا بدلہ اتنی آسانی کے ساتھ شائد کسی چیز میں نہیں مل سکے، حکومت کو ایوانوں سے لے کر جھونپڑی کے تنگ و تاریک فضا تک اور مہراب و ممبر کی بلندیوں سے میکدوں کے پستیوں تک ہر جگہ غیبت اپنا تسلط جمائے ہوئے نظر آتی ہے۔

روزمرہ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ کس طرح دانستہ اور نادانستہ طور پر ہم اس گناہ عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں اور کس کس بہانے سے ہم اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، حالانکہ یہی وہ گناہ ہے جس کی حرمت قرآن و حدیث دونوں میں خاصی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس تفصیل کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ غیبت ایک لذیذ اور سہل گناہ ہے، اس سے نفس امارہ کو فرحت حاصل ہوتی ہے اور کبر کے جذبہ کو سکون ملتا ہے، اگر بات صرف اتنی ہی ہوتی اور اس کے مضر اثرات ذاتی حد تک محدود رہتے تو شاید اس کی اتنی اہمیت نہ ہوتی، لیکن معاشرہ کو اس سے جو انتشار لاحق ہوتا ہے اور دلوں میں اس کی وجہ نفرت و عداوت کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ بیحد سنگین اور وحدت کے مزاج کے لیے انتہائی ضرر رساں ہے۔

غیبت نام ہے ہر اس بات کا جس کا تعلق کسی ذات سے ہو، اور اس کی عدم موجودگی میں ہم اس بات کو اس طرح بیان کریں کہ اگر سنے تو اس کو تکلیف پہنچے، یا وہ اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے، خواہ وہ بات یا عیب اس شخص کے اندر موجود ہی کیوں نہ ہو، حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ اکرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جانتے ہو غیبت کس چیز کا نام ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ وہ اس کو ناپسند کرے، صحابہ اکرامؓ نے فرمایا کہ حضور اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہو تب بھی وہ غیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس کے اندر موجود ہے تو غیبت ہے، لیکن موجود نہ ہونے کی صورت میں تو بہتان ہے۔ (مسلم شریف)

ہم کو سوچنا چاہیے کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں اس صورت حال سے کتنی دفعہ دوچار ہوتے ہیں اور یہ واقعہ روزانہ کتنی بار ہمارے ساتھ پیش آتا ہے، بات صرف اتنی نہیں ہے کہ غیبت ہوئی، بلکہ دراصل اس کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کے دل میں نفاق، نفرت و حسد اور بغض و عداوت کے جذبات کو جگہ ملی، یہی وہ جذبات ہیں جو اجتماعیت اور معاشرتی زندگی کے لیے سمِ قاتل ہیں، ان کی وجہ سے ہماری زندگی کیوں ایسی بنی، بے برکتی، بے رونقی اور اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے کہ ملت کی ذمہ داریوں سے قطعہ نظر ہم اپنی ذاتی ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور ان کے بار اٹھانے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

اگر آپ غیبت کی سنگینی اور اس کی شناعت کا اندازہ کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل آیات تو بغور پڑھیں: ﴿وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ (اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا

کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت کرو) اور خدا کا ڈر رکھو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)۔

مرے ہوئے بھائی کے گوشت کھانے اور غیبت کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ہم نے جانے انجانے روزانہ کتنی بار اس گوشت کو کھایا تھا اور اپنے نفس کے جذبہ کو تسکین دیتے ہیں حالانکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ دونوں سے لوگ (مسلمان) محفوظ رہیں، زبان کا ہر گناہ عمل کے گناہ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے، اس کی زندہ مثال غیبت، جھوٹ، چغلی وغیرہ میں بالکل ظاہر ہے، غیبت یہی وہ جرم جس کی وجہ سے روزہ جیسی بابرکت اور افضؒ میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے روزہ کے روائد سے روزہ دار محروم کر دیا جاتا ہے، اور اس کی بھوک پیاس کا کوئی حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث میں مذکور ہے کہ ''روزہ ایک ڈھال ہے'' لیکن غیبت اس ڈھال کو پھاڑ دیتی ہے، گویا روزہ جو انسان کو ہر طرح کے گناہ سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے اور غیبت اس کو پھاڑ دیتی ہے اور اس کے لیے ہمارے گناہ کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

غیبت کے متعلق عام طور پر یہ تصور ہے کہ غلط بات کو کسی کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے اور اس پر الزام لگانے کو غیبت کہتے ہیں۔ حالانکہ کسی کی گیبت کو مطلق بیان کرنے ہ کو غیبت کہتے ہیں اور اگر وہ غیبت اس کے اندر موجود نہ ہو تو وہ بہتان تراشی ہے نہ کہ غیبت، اس سلسلہ میں حدیث کی روایت ہے کہ جس کا مطالبہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ وہ ٹھگنی ہیں، آپ ﷺ نے اس بات پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں بھی ملا دیا جائے تو وہ بھی بدبودار ہو جائے۔

یہ روایت غیبت کی حقیقت اور اس کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے اور اس میں عبت و نصیحت کا ایک نہایت اہم تر پہلو ہے، کاش ہمارے سامنے صرف یہی حدیث ہو تو ہم غیبت کے تصور سے بھی لرز جائیں اور ہمارے دل میں اس کا تسور بھی پیدا نہ ہو مگر افسوس کہ ہم جہاں اور بہت سے اجتماعی اہم معلومات کو نظر انداز کر کے زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، وہیں غیبت سے بھی ہم نے انکھیں بند کر لی ہیں، اور اس کے انجام و عواقب سے بے خبر ہو کر ہم نے اس کو اپنی زندگی اور معاشرے کا ایک جزء لاینفک بنا لیا۔

اسلامی معاشرے میں غیبت کرنا اور اس کا سننا دونوں حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے تو دورے کو چاہیے کہ وہ اس کو متنبہ کر دے اور اس کی تردید کرے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے ت احتجاجاً مجلس سے اٹھ جانا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

علماء اسلام نے خالص شرعی اور دینی مصالح میں جو بغیر غیبت کے ممکن نہ ہوں اس کی اجازت دی ہے جس کی تفصیل فقہ و حدیث کے کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

بے صبری

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، آپؓ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک شخص سے جو دروازے پر کھڑا تھا، فرمایا: ''میرا گھوڑا تھامے رہو تا کہ میں نماز پڑھ آؤں''، اس شخص کی نیت بدل گئی، گھوڑے کی لگام اتار کر لے گیا اور گھوڑے کو وہیں چھوڑ گیا۔ امیر المومنین نماز س فارغ ہو کر باہر آنے لگے تو جیب سے دو درہم اس نیت سے نکالے کے کہ اس شخص کو انعام دیں گے لیکن دیکھا کہ وہ شخص غائب ہے اور گھوڑے کی لگام چرا کر لے گیا ہے۔ اتنے میں آپؓ کا غلام آ گیا، آپؓ نے وہی درہم اس کو دیئے کہ بازار سے جا کر لگام خرید لاؤ۔ چور لگام بازار میں فروخت کر گیا تھا۔ حضرت علیؓ کا غلام وہی لگام دو درہم میں خرید لایا۔ آپؓ نے فرمایا: ''اس بے وقوف شخص نے اپنی بے صبری سے حلال روزی کو حرام میں تبدیل کر لیا۔ جو درہم میں اسے انعام کے طور پر دینا چاہتا تھا، اس نے لگام بیچ کر حرام کے طور پر وصول کر لیے۔''

مخلوط نظام تعلیم
اور اس کے مفاسد

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

آج کل تعلیم نے بھی چونکہ بزنس اور تجارت کی صورت اختیار کرلی ہے، اس لیے جب اسکولوں میں داخلہ کا وقت آتا ہے تو خالص تاجرانہ انداز پر داخلہ کے لیے تشہیر کی جاتی ہے، بڑے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں اور سرپرستوں کو لبھانے کے لیے طرح طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں، انگریزی زبان اور بول چال کی صلاحیت، عصری وسائل کی فراہمی، باصلاحیت اساتذہ، کمپیوٹر اور نہ جانے کن کن باتوں کے حوالے دیے جاتے ہیں۔ ان ہی ترغیبات میں ایک مخلوط تعلیم (Co-Education) کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، گویا مخلوط تعلیم بھی ایک قابل تعریف اور باعث ترجیح امر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف اسلامی بلکہ انسانی اور سماجی نقطۂ نظر سے بھی یہ بیمار ذہنیت اور کھوٹی فکر کا نمونہ ہے۔ برائی کے غلبے کی انتہا یہ ہے کہ برائی کی ندامت وشرمندگی کا سبب اور معذرت خواہی کا باعث بننے کے بجائے وجہ افتخار اور باعث اعزاز بن جائے۔

یہ بات بہت سنجیدگی سے سوچنے کی ہے کہ تعلیم کا مخلوط نظام کس حد تک قابل قبول ہے؟ مخلوط تعلیم کے مسئلہ میں دو پہلو قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ کیا لڑکے لڑکیوں کا نصاب ایک ہونا چاہیے یا جداگانہ؟ دوسرے لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم ایک ساتھ ہونی چاہیے یا الگ الگ؟ جہاں تک نصاب تعلیم کی بات ہے تو کچھ امور ضرور ایسے ہیں جو دونوں کے درمیان مشترک ہیں اور ان کا نصاب لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے یکساں ہوسکتا ہے؟ جیسے زبان و ادب، تاریخ، جنرل نالج، جغرافیہ، ریاضی، جنرل سائنس اور سوشل سائنس وغیرہ، لیکن کچھ مضامین ایسے ضرور ہیں جن میں لڑکے اور لڑکیوں میں فرق کرنا ہوگا، مثلاً انجینئرنگ کے بہت سے شعبے، عسکری تعلیم، ٹیکنیکل تعلیم کی یقیناً لڑکیوں کو ضرورت نہیں، میڈیکل تعلیم کی یقیناً لڑکیوں کو ضرورت نہیں۔ میڈیکل تعلیم میں ایک اچھا خاصہ حصہ خواتین سے متعلق ہے، اس لیے زمانہ قدیم ہی سے ''امراضِ نسواں'' طب کا مستقل موضوع رہا ہے۔ یہ لڑکیوں کے لیے نہایت اہم ہے، لڑکیوں کی تعلیم میں امور خانہ داری کی تربیت ضرور شامل ہونی چاہیے۔ سلائی، کڑھائی، پکوان، بچوں کی پرورش کے اصول اور اس طرح کے مضامین ضرور شریک ہونے چاہئیں۔ اس سے نہ صرف گھریلو زندگی میں لڑکیاں زیادہ بہتر رول ادا کرسکتی ہیں، بلکہ ازدواجی زندگی کی خوشگواری، خاندان میں ہر دل عزیزی اور مشکل اور غیر متوقع حالات میں آپ اپنی کفالت کے لیے یہ آج بھی بہترین وسائل ہیں، اس کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کے لیے ان کے حسب حال آدابِ معاشرت کی تعلیم نہایت اہم ہے، کیونکہ ایک لڑکی اگر بہتر بیوی اور بہتر ماں نہ بن سکے تو سماج کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مردوں سے علاحدہ خواتین کی تعلیم وتذکیر کے لیے ہفتے میں ایک دن مستقل طور پر متعین فرمادیا تھا، جس میں خواتین جمع ہوتیں اور آپ ﷺ ان کو ان کے حسبِ حال نصیحتیں فرماتے اور ہدایات دیتے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خواتین کی دل بہلائی کے لیے بہترین مشغلہ دھاگے کاتنا ہے، کیونکہ اس زمانہ میں دھاگہ کاتنا ایک گھریلو صنعت تھی، اور آج سے پچاس سال پہلے تک بھی بہت سے گھرانوں کا اسی پر گزران تھا۔

غور کیجیے! جب قدرت نے مردوں اور عورتوں میں تخلیقی اعتبار سے فرق، پھر قدرتی طور پر افزائش نسل اور اولاد کی تربیت

میں دونوں کے کردار مختلف، تو کیوں کر ممکن ہے کہ سماج میں دونوں کے فرائض اور ذمہ داریاں الگ الگ نہ ہوں، اور جب ذمہ داریاں علاحدہ ہیں، تو ضرورت ہے کہ اسی نسبت سے دونوں کے تعلیمی اور تربیتی نصاب اور مضامین بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو یہ کسی بھی معاشرہ کے لیے نہایت ہی مہلک اور مضرت رساں ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خود کہا ہے:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی نازن
کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق ومحبت کے لیے علم و ہنر موت

خواتین کو بھی چاہیے کہ وہ تعلیم کے وہ میدان تلاش کریں جو سماج میں ان کے کردار سے مطابقت رکھتا ہے اور تعلیم کے وہ شعبے جو ان کے لیے موزوں نہیں، ان میں ان کا داخل ہونا بے سود ہے، اور آئندہ اسی شعبے میں ملازمت سماج کے لیے اور خود ان کے لیے مہلک اور نقصان دہ ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے ایک اصول بتا دیا ہے کہ مرد اور عورت اپنے اپنے دائرہ سے ہٹ کر دوسرے کے دائرۂ عمل میں قدم رکھنے کی کوشش نہ کریں۔ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (النساء: ۳۲) (اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت عطا کی ہے، اس کے بارے میں رشک میں مبتلا نہ ہو، مردوں کے لیے ان کے اعمال ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اسی کا فضل وکرم مانگتے رہو، بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے)۔

یہ آیت دراصل معاشرتی زندگی کے لیے آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے کہ قدرت نے سماج کو اختلاف اور رنگا رنگی پر پیدا کیا ہے، کسی بات میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے تو کسی معاملے میں وہ عورت کا محتاج ہے، قدرت نے جس کو جو کام سپرد کیا ہے، اس کے لیے وہی موزوں ہے، کیوں کہ خالق سے بڑھ کر کوئی مخلوق کی فطرت وصلاحیت اور ضرورت سے واقف نہیں ہوسکتا، یہ مغرب کی خود غرضی اور بے رحمی ہے کہ اس نے عورتوں سے ''حق مادری'' بھی وصول کیا اور ''فرائض پدری'' میں بھی اس کو شریک ہونے پر مجبور کیا اور چونکہ مرد اپنی ذمہ داری کا بوجھ بھی اس کے کندھوں پر رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے ایسے نظام تعلیم کو وضع کیا جس میں عورتوں کو مرد بنانے کی صلاحیت ہو، پیغمبر اسلام ﷺ نے خوب ارشاد فرمایا کہ تین افراد وہ ہیں جو جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ ان تین میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "الرجلة من النساء" (مجمع الزوائد: ۳۲۷/٤) (یعنی عورتوں میں سے مرد، دریافت کیا گیا: عورتوں میں مرد' کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا: وہ عورتیں جو مردوں کی مماثلت اختیار کریں۔ "التي بالرجال" غالباً جو عورتیں تعلیم وتربیت اور پھر اس کے بعد عملی زندگی میں مردوں کی صف میں کھڑا ہونا چاہتی ہیں، وہ اسی حدیث کے مصداق ہیں۔

مخلوط تعلیم کا دوسرا پہلو لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترک درس گاہ اور مشترک تعلیم ہے۔ ابتدائی عمر میں صنفی جذبات سے بچے عاری ہوتے ہیں اور ان میں احساسات نہیں پیدا ہوتے، مخلوط تعلیم کی گنجائش ہے۔ آٹھ-نو سال کی عمر اور پرائمری کی سطح تک مشترک تعلیمی نظام رکھا جاسکتا ہے، اس لیے اسلام نے بے شعور بچوں کو غیر محرم عورتوں کے پاس آنے جانے کی اجازت دی ہے اور قرآن مجید نے سورہ نور کے آیت نمبر/۵۸ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن جب بچوں میں جنسی شعور پیدا ہونے لگے اور ایک حد تک صنفی جذبات کی پہچان پیدا ہو جائے تو ایک ساتھ ان کی تعلیم آگ اور بارود کو ایک جگہ کرنے مترادف ہے۔

اسلام کا نقطۂ نظر اس سلسلہ میں بالکل واضح اور بے غبار ہے کہ ایک مرد کا غیر محرم عورت پر نظر ڈالنا کسی طرح روا نہیں۔ حج کے ایام ہیں، فضل بن عباسؓ رسول ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر سوار

ہیں، قبیلہ بنو خثعم کی ایک لڑکی ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنے کے حضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوئی اور فضل بن عباسؓ کی نظر ایک لمحہ کے لیے اس لڑکی پر جم جاتی ہے، آپ ﷺ نے فوراً حضرت فضل بن عباسؓ کا چہرہ موڑ دیا۔ جب حج کے پاکیزہ ماحول اور رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ وصحابیات کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے یہ احتیاط برتی تو اوروں کا کیا ذکر؟ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے کیونکہ اصل میں ساری برائیوں کی جڑ یہی بدنگاہی ہے، نگاہ ہی سے سارے فتنے جاگتے ہیں، جب بار بار نگاہیں دوچار ہوتی ہیں تو جرأت بڑھتی ہے، زبان کو گفتگو کا حوصلہ ہوتا ہے، پھر دست ہوس آگے بڑھتا ہے، ملاقاتیں ہوتی ہیں اور آخر شرم وحیا کے سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں، اس لیے نر کی فتنہ سامانی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ چست اور دیدہ زیب یونیفارم ہوں اور نہ صرف چہرہ ورخسار بلکہ بے لباس ٹانگیں بھی نگاہ ہوس کو دعوت نظارہ دیتی ہیں۔

مذہبی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے تو شاید ہی کوئی سلیم الفطرت انسان اس بات سے انکار کرے کہ یہ اختلاط اخلاق کے لیے تباہ کن نہیں، لیکن علاوہ اس کے تعلیمی اور انتظامی لحاظ سے بھی اس کی مضرت دن ورات سامنے آتی ہیں، چھیڑ چھاڑ اور فقرہ بازی اب ایسی درسگاہوں کے معمولات ہیں، اس سے درسگاہ کا ماحول بے وقار اور غیر مامون ہوجاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ کہ ''طلبۂ عزیز'' کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ''اساتذہ گرامی قدر'' بھی اس حمام میں اتر جاتے ہیں اور پھر پولیس کیس بھی بنتا ہے، اغوا کے واقعات بھی پیش آتے ہیں، وقتی محبت میں فرار اور بعد میں ندامت کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی ہیں اور کتنی ہی ناگفتنی پیش آتی ہے۔

یہ مخلوط تعلیم کا انتظامی پہلو ہے، اب خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے دیکھئے! تعلیم دراصل دو باتوں کا نام ہے جس مضمون کا درس ہورہا ہے اس کو پوری طرح سمجھنا اور ذہن کی گرفت میں لانا، دوسرے اس مضمون کو اپنے حافظے اور یادداشت میں محفوظ رکھنا۔ ان دونوں باتوں کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم پوری طرح اپنے مقصد میں منہمک اور یکسو ہو، اور یکسوئی کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک یہ کہ جو پڑھ رہا ہے یا سن رہا ہے، اس کی طرف پوری توجہ، دوسرے ہر طرح کے خوف وخطر اور اندیشوں سے اس کے ذہن و دماغ کا محفوظ اور مامون ہونا۔ اب اول تو تقاضۂ سن و سال یہ مخلوط بیٹھک لڑکوں اور لڑکیوں کی توجہ کو منتشر کرتی رہتی ہے، دوسرے شریف لڑکیاں اوباش لڑکوں کی طرف سے ایک طرح کے اندیشے سے دوچار رہتی ہیں اور سہمی سہمی درسگاہ میں اپنا وقت گزارتی ہیں۔ ایسے ماحول میں تعلیم وتعلم کا کام پوری یکسوئی، توجہ اور انہماک کے ساتھ کیوں کر انجام پاسکتا ہے؟ کیونکہ ؎

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے ہوس آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر

میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ادارہ یا شخص ان طلبہ وطالبات کا سروے کرے جو جداگانہ نام میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان کا جو مخلوط درس گاہوں میں زیر تعلیم رہے ہیں، غالباً تعلیمی اعتبار سے وہ لڑکے اور لڑکیاں زیادہ کامیاب ہوں گے، جنہوں نے پہلی قسم کی درسگاہوں میں تعلیم پائی ہے، اگر ہم نے موجودہ حالات میں جب کہ ٹی وی نے معاشرہ کو بگاڑنے کے لیے صور قیامت پھونک رکھا ہے اور بیرونی کمپنیوں کی آمد نے رہی سہی کسر پوری کردی ہے اور ایک زبردست یلغار ہے جو مشرقی تہذیب و ثقافت پر پوری قوت سے جاری وساری ہے، جداگانہ نظام تعلیم نہ اختیار کریں، لڑکیوں کے لیے علاحدہ اسکول کا صحیح اور اعلیٰ فنی تعلیم کے ادارے قائم نہ کریں اور ان کے حسب حال نصاب نہ مقرر کریں تو ہمارے لیے اپنی سماج اور مذہبی قدروں کا تحفظ ممکن نہ ہوگا اور مغرب کی غیر سنجیدہ نقالی ہمیں کہیں کا نہ رکھے گی۔

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا جہیز!

مولانا شمس الحق ندوی

مسلمانوں میں یا یوں کہئے کہ شریعت اسلام میں ازدواج ایک مقدس رشتہ ہے، جس کے ذریعہ دو الگ الگ خاندانوں کے دو فرد ہمیشہ کے لیے یک جان دو قالب بن جاتے ہیں، خالق کائنات کا ارشاد ہے: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (تم دونوں کے مابین محبت و ہمدردی پیدا کر دیا)، تم دونوں کا جڑنا اور اسلامی آداب کے سائے میں گھل مل کر ایک ہو جانا خدا ہی نام پر ہوتا ہے اس لیے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں خدا کا پورا دھیان رکھو کہ وہ تمہارے ایک ایک سلوک اور برتاؤ سے واقف ہے، تمہاری کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، ارشاد ہوا ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورۃ النساء: ۱) (اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو، اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے)

اس مقدس رشتہ کو جوڑتے وقت بھی اس کا دھیان اور خیال رکھو کہ اس کا مطلوب و مقصود کیا ہے اور جڑنے کا طریقہ کتنا آسان ہے، دو خاندانوں کے دو جگر گوشے مل کر ایک نئے خاندان کی داغ بیل ڈال رہے ہیں، ان دونوں میں جتنی یگانگت انس و محبت، ایک دوسرے کے حقوق کا پاس و لحاظ، اپنی اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقہ سے نبھانے کا جذبہ و شعور ہوگا، اتنا ہی پاکیزہ، ستھرا اور خدا و رسول کی نظر میں پسندیدہ خاندان وجود میں آئے گا اور اس میں جتنی کمی ہوگی اسی کے تناسب سے یہ خاندان بھی شر و فساد، پامالی حقوق اور انتشار و خلفشار کا مرقع ہوگا، اس سلسلہ میں یوں تو بہت کچھ عرض کیا جا سکتا ہے، لیکن فی الوقت میں جس خاص پہلو کی طرف اپنے قارئین ہی کو نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کے ہر فرد کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ ہے شادی و خانہ آبادی کو سودا بازی و خانہ خرابی میں تبدیل کر دینے کا بڑھتا ہوا تباہ کن رجحان جو جہیز کی شکل میں ہمارے معاشرہ کو اپنے مضبوط جبڑوں میں کستا جا رہا ہے۔ خدا و رسول نے اس لعنت سے دور رہنے کے بارے میں اس کی نحوست و بے برکتی اور خانہ خرابی کے بارے میں جو کچھ کہا اور فرمایا ہے وہ تو ایک حقیقت مسلمہ ہے عرف عام اور ہر خاص و عام کی نظر میں جو بات بری سمجھی جاتی ہے، غیرت و خودداری کے خلاف سمجھی جاتی ہے، اس کے پیش نظر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سوائے ان فقیروں اور گداگروں کے جن کا آبائی پیشہ ہی بھیک مانگنا ہے اور در در ہاتھ پھیلانا ان کا مرغوب مشغلہ ہے، دنیا کا ہر انسان کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلاتے کچھ مانگتے اور اپنی محتاجی ظاہر کرتے شرماتا ہے، اور کسی کمزور و ضرورت مند کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو آخری درجہ کی شرمناک بات تصور کرتا ہے، عورت صنف نازک کہلاتی ہے عام بول چال میں بھی اور خود اسلام نے بھی اس کو صنف نازک ہی سے تعبیر کیا بلکہ صنف نازک سے بھی آگے بڑھ کر شیشۂ نازک کہا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سفر کے موقع پر سواریوں کو جن پر عورتیں سوار تھیں تیز اور بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہانکنے سے روکتے ہوئے فرمایا: "رفقاً بالقوارير" (ذرا آبگینوں کا خیال رکھو)۔ اس کی اسی نزاکت، لطافت گھر کی زینت و سکون اور راحت جان و دل ﴿جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے) ہونے کے سبب یہ فرض قرار دے دیا گیا کہ عورت کو اپنے لیے سکون قلب بنانے اور زندگی کو سامان راحت بہم پہنچانے کے

لیے اگر اس کو قبول کرنا ہے تو مہر کی ایک مقدار متعین کرنا ضروری ہی نہیں بلکہ فرض ہے، اور اس کے بعد ہر طرح سے اس کا تکفل بھی اپنی حیثیت کے مطابق ضروری ہے، جب حقیقت حال یہ ہے تو یہ کتنی الٹی اور غیرت وخودداری کے خلاف بات ہوگی کہ خود اسی سے جس کو سکون دل اور راحت جسم وجان بنانے کا شوق ہے یا اس کے باپ وبھائی کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرے اور بھیک مانگنے جہیز کا نام لے کر لڑکی اپنے کو نکاح میں دے رہی ہے کہ شوہر اس کا کفیل ہوگا، دولہا یا دولہا کا باپ کہہ رہا ہے کہ میں بھکاری ہوں، مجھے بھیک دو تب میں تمہاری لڑکی کو قبول کروں گا، میں فقیر ہوں میری کلائی خالی ہے مجھے گھڑی دے دے، میں ننگا ہوں کپڑا بنوانے کی سکت نہیں جوڑا دے دو، میں کنگال ہوں شوق شہزادگی کا ہے مجھے اسکوٹر دے دو، ویڈیو ٹیلویژن دے دو دوسروں کی کمائی پر شان جھاڑوں گا، فرنیچر دے دو، چائے سٹ ،ڈنر سٹ دے دو، فقیری میں امیری کا روپ دھاروں گا، اپنے دوست واحباب کو دکھاتے ہوئے ذرا نہ شرماؤں گا، کہ یہ میری بیوی کا لایا ہوا ہے جن کا میں کفیل ہوں، یا ہمارے سمدھی صاحب کا دیا ہوا ہے میری قلاشی دور کرنے کے لیے انہوں نے بے پناہ قرض لے کر میرے گھر کو رونق بخشی ہے۔

وہ لڑکی جس نے دیکھا کہ میرے خسر نے یا شوہر نے مجھے قبول کرنے کے لیے میرے والد بزرگوار کو میرے شفیق ومہربان باپ کو میرے اس باپ کو جس کے جگر کا میں ٹکڑا ہوں قرض کے پہاڑ تلے دبا دیا ہے، ہر وقت والد کی آہ وکراہ اس کے کانوں میں گونجتی رہتی ہے ان ظالموں سے بحیثیت بیوی یا بہو کے اس کو کتنی محبت ہوگی اس کو اپنے ان سسرالی لوگوں پر کتنا اعتماد وبھروسہ ہوگا جو ایک شریف خوش کردار بہو یا بیوی کی فکر سے پہلے اس کے باپ کے جیب ودامن پہ نظر کرتے ہیں، ایسی بیوی کو اپنے شوہر سے کتنی محبت ہوگی یا اس شوہر کو اس بیوی سے کتنی محبت ہوگی جس کو بیوی بنانے سے پہلے اس نے حصول زر کا ذریعہ بنایا ہے، بیوی وشوہر کی مخلصانہ محبت واعتماد اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے خیال ہی سے تو گھر کی رونق بڑھتی ہے اور اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے دونوں طرف کے رشتہ داروں کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں اور صلہ رحمی قائم ہوتی ہے جب انہیں دونوں میں مال کی محبت دیوار بن کر کھڑی ہوگئی ہے تو پھر وہ سارے فوائد کیوں کر حاصل ہوں گے جو شادی کا مقصود ہیں، ان جذبات و احساسات کے ساتھ ان میں صلاح وراست بازی، سعادت و نجابت، ادب ولحاظ، حسن کردار اور اسلامی شعار کا لحاظ کتنا ہوگا۔

جہیز کے لالچیوں کی فقیری وگداگری نے مائی حوا کی کتنی بیٹیوں کی عصمت وعفت لوٹ لی ہے اور کتنی ایسی ہیں جن کی عمر کا بڑا حصہ کوفت وگھٹن میں گذر جاتا ہے یا امراض کا شکار ہو جاتی ہیں، ماں باپ بچی کے فکر وغم میں ٹی بی کے مریض کی طرح نہایت کرب وبے چینی کی زندگی گذارتے ہیں، ہماری کتنی وہ بیٹیاں ہیں جو گھر کے گوشہ میں حسرت ویاس کے آنسو بہا رہی ہیں، اور ماں باپ گھٹ گھٹ کر مرے جا رہے ہیں، جہیز کی اس لعنت نے ہمارے معاشرہ کو نہایت مہیب صورتحال سے دوچار کر دیا ہے۔

مسلمانوں! تمہارے دین ومذہب میں نکاح وشادی ایسا دشوار تو نہ تھا تم نے اپنے ہاتھوں دیگر قوموں کے رخ اور دھارے پر کیوں بہنا شروع کر دیا، تم کو تمہارے خدا نے صبر وقناعت کا حکم دیا تھا، تم نے اسی کو حصول زر کا ذریعہ کیوں بنا رکھا ہے جس کا تمہیں کفیل بنایا ہے، وہ جو تمہارے بچے کے حمل ورضاعت کا دکھ جھیلے گی، وہ تمہارے لیے لباس ہوگی، تم اس کے لیے لباس وپردہ ہوگے، تم نے خدائے ذوالجلال کی اس نعمت عظیمہ کو جو تم کو اس جرم عظیم سے بچانے کا نہایت پاکیزہ بلکہ اجر وثواب کا ذریعہ ہے جس جرم پر سنگ سار کیا جاتا ہے، اسی کو تم نے حصول مال ودولت کا ذریعہ کیوں بنالیا، یہ ناقدری اور یہ بے حرمتی اس کی جس کے پاؤں تلے جنت ہے اس کی جس کی پرورش کے صلہ میں رسول خدا نے یہ خوشخبری دی کی جس دروازہ سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کی جس کی دیکھ بھال اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی وصیت ونصیحت خدا کے رسول اپنے آخری حج کے خطبہ میں بھی نہ بھولے اور فرمایا:

(بقیہ صفحہ/۱۵ پر)

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

کامیاب زندگی کا راز

ایک صاحب کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوگئے اور اتنا ناراض ہوئے کہ دھمکی دے ڈالی اور دھمکی بھی یہ کہ میں تمہیں خوشیوں سے محروم کردوں گا، بیوی اپنے شوہر سے کچھ مختلف تھی، صاحب ایمان تو شوہر نامدار بھی تھے، لیکن بیوی کا ایمان قابل رشک تھا، چہرے پر اس کے یقین کا نور بھی تھا اور آنکھوں میں عشق کا سرور بھی۔ نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ میری خوشیاں آپ چھین ہی نہیں سکتے، شوہر نے حیرت سے پوچھا! وہ کیسے؟ بیوی نے کہا! اگر میری خوشی مال میں ہوتی تو یقیناً آپ مجھ کو مال سے محروم کرسکتے تھے۔ میری خوشی اگر زیورات میں ہوتی تو یقیناً آپ اپنے دیئے ہوئے زیورات مجھ سے واپس لے سکتے تھے۔ میری خوشی اگر قیمتی کپڑوں میں ہوتی تو یقیناً آپ مجھ کو ان کپڑوں کے استعمال سے روک سکتے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میری خوشی نہ مال میں ہے، نہ کپڑوں میں ہے، نہ زیورات میں ہے بلکہ میری خوشی میرے ایمان میں ہے، اور میرا ایمان میرے دل میں ہے، اور میرا دل تو اس کا مالک صرف اور صرف خدا ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی اور خوش بختی کا تعلق مال کی کثرت سے ہے، بلند وبالا عمارتوں سے ہے، دولت کی فراوانی سے ہے، لمبی چوڑی تنخواہوں سے ہے، اشارہ کے منتظر خادم اور خادماؤں سے ہے، قیمتی کاروں میں گھومنے اور ہوائی جہازوں میں اڑنے سے ہے اور بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے اور ان کی دنیا سنوارنے سے ہے۔

ان کا خیال ہے کہ خوشی حاصل ہوتی ہے بچوں اور بچیوں سے، خواہشات کی تکمیل سے، کاروبار کی ترقی سے، حلقۂ احباب کے وسیع ہونے سے، نفس کے تقاضوں کے پورا ہونے اور دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے، لیکن کیا یہ سچ ہے؟ آیئے دیکھیں خدا کی کتاب اس سلسلہ میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴ ملاحظہ کیجیے: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاء وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾ (انسان مزے لینے کی لت میں ریجھ گئے ہیں، عورتیں اور بیٹے، جوڑ کر رکھا ہوا مال، سونے اور چاندی کے ڈھیر اور چنے ہوئے گھوڑے انہیں بہت پسند ہیں، اسی طرح مویشی اور کھیتیاں بھی، یہ اس پار کی زندگی کے حقیر سامان ہیں، اور اللہ کے پاس پلٹ جانے پر اِس سے بھی بہتر سامان اور خوبصورت جگہ ہے)۔

خوشی یا خوش بختی کا تعلق باہر کی دنیا سے نہیں انسان کی اندر کی دنیا سے ہے۔ خوش بختی ایک ایسا سایہ دار درخت ہے جس کی جڑیں دل میں پیوست ہیں، ایمان سے یہ جڑیں سیراب ہوتی ہیں، عمل سے ان جڑوں کو کھاد ملتی ہے اور تقوی سے ان جڑوں کو غذا حاصل ہوتی ہے، اور ایمان وہ سدا بہار باغیچہ ہے جس کے گھنے درختوں، رنگ برنگے پھولوں اور ان پھولوں کی مہکتی ہوئی خوشبوؤں میں انسان اپنا سارا دکھ درد اور زندگی کی ساری تکلیفیں بھول جاتا ہے، وہاں نہ اسے رزق کی تنگی پریشان کرتی ہے، نہ لوگوں کی بدسلوکی کبیدہ خاطر کرتی ہے، نہ محرومی کا احساس ملول و رنجیدہ کرتا ہے، رضامندی کے جذبہ سے اس کا دل ایسا سرشار رہتا ہے کہ ناشکری کا وہاں گزر بھی نہیں ہو پاتا، تو پھر کس بات کا غم؟ اور کیوں کر افسوس؟

ابراھیم بن ادہمؒ کا واقعہ بھی ذرا سن لیجیے: ان کی نظر ایک شخص پر پڑی، کونے میں بیٹھا ہوا تھا، چہرے پر حزن وملال تھا اور آنکھوں میں فکرمندی ومایوسی، قریب گئے اور پوچھا بھائی! کیوں

اس طرح غمزدہ بیٹھے ہوئے ہو؟ کیا اس کائنات میں، زمین وآسمان میں، خشکی وتری میں خدا کی مرضی کے خلاف کوئی واقعہ پیش آسکتا ہے؟ کہا: نہیں۔ پھر پوچھا: تمہاری عمر جو اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادی ہے کیا اس میں ایک لمحہ بھی گھٹایا یا بڑھایا جاسکتا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ ابراھیم بن ادہمؒ نے تعجب سے کہا: تو پھر پریشانی کی کیا بات ہے؟

یہی ابراہیم بن ادہمؒ حج کے لیے پیدل روانہ ہوئے، راستہ میں اونٹ پر سوار ایک شخص ملا، ابراہیم بن ادہمؒ کو دیکھ کر کہا: کہاں چلے؟ ابراہیم بن ادہمؒ نے جواب دیا: حج کے لیے۔ حیران ہوکر اس نے پوچھا: سواری کہاں ہے؟ ابراہیم بن ادہمؒ نے بڑی سادگی سے جواب دیتے ہوئے کہا: میرے پاس کئی سواریاں ہیں لیکن افسوس کہ وہ تمہیں نظر نہیں آرہی ہیں، اس نے تعجب سے پوچھا: وہ سواریاں کہاں ہیں؟ ابراہیم بن ادہمؒ نے جواب دیا: میرے پاس صبر کی سواری ہے، جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس پر سوار ہوتا ہوں، شکر کی سواری ہے، جب کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو اس کی سواری کرتا ہوں، رضا مندی کی سواری ہے، فیصلہ جب قضاوقدر کا ہوتا ہے تو پھر استعمال اس سواری کا کرتا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ بے ساختہ اس شخص کی زبان سے نکلا: خدا کی برکتوں اور رحمتوں کے سایہ میں آپ چلتے رہیے، سوار تو آپ ہیں، پیدل تو میں ہوں۔

ہارون رشید کا محل ہے، مجلس لگی ہے، خواص کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، مشہور عرب شاعر ابوالعتاہیہ ملنے کے لیے آتا ہے، ہارون رشید کی طرف سے فرمائش ہوتی ہے کہ اس محل، اس کی آسائش وزیبائش اور زیب وزینت کو اشعار کے ذریعہ بیان کیا جائے، ابوالعتاہیہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، حکم کی تعمیل ہوتی ہے، اور پہلا شعر ابوالعتاہیہ کی زبان سے یہ نکلتا ہے:

''ان بلند وبالا محلوں میں جب تک آپ چاہیں امن وسلامتی کے ساتھ رہیں''۔

ہارون رشید کو یہ شعر پسند آتا ہے، داد ملتی ہے، واہ واہ، واہ واہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، ابوالعتاہیہ کا حوصلہ بڑھتا ہے اور اگلا شعر اس کی زبان پر یہ آتا ہے:

''صبح ہو یا شام آپ کی من پسند چیزیں آپ تک پہنچتی رہیں گی''۔

ہارون رشید اس شعر پر جھوم اٹھتا ہے، مجلس میں موجود ہر شخص کی زبان سے کیا خوب کیا خوب نکلتا ہے۔

ابوالعتاہیہ ذرا سیدھا ہوتا ہے اور کمال متانت کے ساتھ یہ شعر پڑھتا ہے:

''جب سانس کی نالی میں سانس اٹکنے لگے تو سمجھ لیجئے گا کہ جو کچھ آپ کو حاصل تھا وہ ایک دھوکا تھا، ایک سراب تھا، اور اب جو کچھ ملنے والا ہے بس وہی ایک حقیقت اور وہی ایک سچ ہے''۔

یہ شعر سننا تھا کہ ہارون رشید کے چہرے کا رنگ بدل گیا، منہ سے ایک چیخ نکلی، اور آنکھوں نے مینہ برسانا شروع کردیا۔ مجلس میں فضل بن یحیی موجود تھے، ابوالعتاہیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: امیر المؤمنین نے تم کو رلانے کے لیے نہیں ہنسانے کے لیے بلایا تھا، یہ تم نے کیا کیا، ہارون رشید نے فضل بن یحیی کو ٹوکتے ہوئے کہا: قصور ابو العتاہیہ کا نہیں، اس نے ہم کو اندھیرے میں پایا اور اپنے اشعار کے ذریعہ ہم کو اندھیرے سے نکالنے کی کوشش کی۔ اللہ اس کو جزائے خیر دے۔

مصر کے معروف ادیب ومؤرخ احمد امین کی بات بھی سنتے چلیے، وہ کہتے ہیں:

''زندگی کے تجربات سے پوری طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ سچی خوشی خدا پر ایمان لانے اور اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے۔ خوشیاں اگر مطلوب ہیں تو خدا سے اپنے رشتہ کو مضبوط کرنا ہوگا، گھروں میں انتشار، خاندانوں میں خلفشار اور اہل خانہ میں ناکامی ونامرادی کا احساس، بلکہ ان کی بدبختی کا سب سے بڑا سبب وہ جوان بیٹے اور بیٹیاں ہیں جن کے دل خدا کے ڈر سے خالی ہیں، جن کا طور طریق شریعت کے سراسر منافی ہے، جن کو نہ خدا کا لحاظ ہے نہ شریعت کا پاس، وہ صرف لذتوں سے آشنا، خواہشات کے اسیر اور عادتوں کے غلام ہیں، ایک خدا کی غلامی سے جب انسان نکلتا ہے تو ہر کس وناکس کی غلامی پر اسے مجبور ہونا پڑتا ہے اور اس کا سر ہر چوکھٹ پر جھکتا ہے،

اگر کسی خاندان میں دینی تعلیمات عام ہوں تو اس خاندان پر خوشیوں اور سعادتوں کی بارش ہو اور آزادی کا اس کو مزہ آئے''۔

بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دل کا سکون وقرار ہی سب سے بڑی خوشی ہے، اور دل کا یہ اطمنان بقول علامہ یوسف القرضاوی عطیۂ خداوندی ہے، یہ وہ نور ہے جہاں سکون ملتا ہے ڈرے اور سہمے ہوئے انسان کو، جہاں قرار آتا ہے بے چین ومضطرب طبیعت کو، جہاں تسلی ملتی ہے غمزدہ اور ٹوٹے ہوئے دل کو، اور یہ سکون وقرار اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہمیں نظر آتا ہے حضور پاک ﷺ کے طائف کے سفر میں۔ ذرا سوچئے! قدم مبارک لہولہان ہیں پتھروں کی چوٹ سے، قلب اطہر زخمی ہے کفار کی اسلام دشمنی سے، لیکن پھر بھی لسان نبوت ہے کہ کہہ رہی ہے:

''اے اللہ اگر تو مجھے ناراض نہیں تو پھر مجھے کسی کی پرواہ نہیں، اے خدا میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غضب سے، پناہ مانگتا ہوں تیری ناراضگی سے، مجھے صرف اور صرف تیری رضا مطلوب ہے''۔

ذرا تصور کیجئے! ایک معمولی سا مکان ہے، بادشاہ سلامت کی تشریف آوری ہے، بوریہ نشیں اللہ کا ایک بندہ شہاب حلبی پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے، خدام ومریدین کی جماعت اس مہمان ذی شان کی آمد پر خوشی سے سرشار ہے، لیکن خدا کا یہ بندہ بالکل خاموش ہے، ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں، چہرہ پر کوئی تاثر نہیں، بادشاہ کی آمد پر خوشی کا کوئی اظہار نہیں، استقبالیہ تیاریوں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں، دل میں اس کے سکون ہے، چہرہ پر اس کے جلال ہے۔ آواز میں اس کے اعتماد ہے، لہجہ میں اس کے یقین ہے، آنکھوں میں ایسی چمک ہے کہ ملنے والوں کے دل کی اندھیری دنیا میں روشنی ہونے لگتی ہے، آواز میں ایسا اثر ہے کہ سننے والوں کے دل کی گہرائی میں اترنے لگتی ہے۔ بادشاہ کی سواری پہنچتی ہے، اشرفیوں کی تھیلی نذرانہ کے طور پر اس بندۂ خدا کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، جواب ایسا ملتا ہے کہ بادشاہ کی حقیقت خود بادشاہ پر عیاں ہوجاتی ہے، وہ جواب کیا تھا ایک آئینہ تھا جو بادشاہ کو دکھلایا گیا، ایک سچ تھا جو بادشاہ کے سامنے پہلی بار بولا گیا۔ انہوں نے کہا: بادشاہ کے سامنے پاؤں پھیلانے کی جرأت کرنے والا بادشاہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی غلطی نہیں کرتا۔

انہی اسلاف کی نمائندگی کرنے والے ایک بوریہ نشیں خدا کے بندے کو ہم نے بھی دیکھا ہے اور بہت قریب سے دیکھا ہے اور ایسے موقعوں پر دیکھا ہے، جہاں فقیری کا امتحان ہوتا ہے، جہاں مصنوعی فقیری کا بھید کھل جاتا ہے اور سچی فقیری کا شاہانہ انداز سامنے آتا ہے، اس کی فقیرانہ قیام گاہ پر ملک کے متعدد حکمرانوں کی آمد کے مناظر آج بھی اسی طرح نگاہوں کے سامنے ہیں، ان میں سے کسی ایک کی آمد تھی، ایک ہنگامہ تھا جو بپا تھا، ایک شور تھا جو مچا تھا، ایک بھیڑ تھی جو جمع تھی، ہر شخص اندر گھسنے کے لیے بے قرار تھا، بڑے بڑے گھگھیا رہے تھے، خوشامد کررہے تھے، واسطے دے رہے تھے، خاکی وردی والوں کے آگے پیچھے ہورہے تھے، لیکن پرسکون تھا تو صرف وہ فقیر، کوئی ذکر نہیں تھا اس کی مجلس میں کسی کی آمد کا، کوئی تیاری نہیں تھی اس کے یہاں کسی کے استقبال کی، لگتا ہی نہیں تھا کہ کوئی آنے والا ہے، وہی تصنیفی مشغلہ، وہی علمی گفتگو، وہی دعوتی واصلاحی موضوع، معمولات کی وہی پابندی، یہاں تک کہ وہ آپہنچتا ہے جس کے لیے لوگوں کے دل دھڑک رہے تھے، نگاہیں فرش راہ تھیں اور نظریں دیدار کے لیے بیتاب، وہ آتا ہے اور چلا جاتا ہے، فقیر کو کچھ دیکر نہیں فقیر سے کچھ لے کر، ایک پیغام لے کر انسانیت کا، ملک کی خدمت کا، عوام کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کا۔

حکمرانوں کو پیغام دینے کی یہ جرأت اس کے اندر کہاں سے آئی، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی یہ طاقت اس میں کیسے پیدا ہوئی، آپ بھی تجربہ کرکے دیکھ لیجئے، زہد کا، قناعت کا، اور تقوی کا۔ یہی وہ فقیرانہ پوشاک ہے جو فقیروں کو شاہوں سے اونچا مقام عطا کرتی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی میں یہ تینوں پہلو بہت نمایاں نظر آتے ہیں، شاہ فیصل ایوارڈ، دبئ ایوارڈ، برونائی انٹرنیشنل ایوارڈ حاصل کرنے والے اس فقیر کے لیے اس کی فقیرانہ زندگی، فقیرانہ لباس، فقیرانہ مکان اور فقیرانہ دسترخوان نے یہ آسان کردیا تھا کہ ایوارڈوں کی ان گراں قدر رقومات کو اپنی ذات پر

نہیں، اپنے ادارے کی آسائش وآرائش پر نہیں بلکہ ان کاموں پر صرف کرے جس کا فائدہ امت مسلمہ کو پہنچے۔

طبری کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ بھی ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے کہ: "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت میں ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ ان کے لیے آٹھ درہم کی قیمت کا ایک سستا سا جوڑا خرید لائے، اس نے جوڑا خریدا اور لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کپڑے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا کتنا ملائم ہے، لانے والا مسکرایا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو اس شخص نے جواب دیا: آپ نے خلافت کا منصب سنبھالنے سے پہلے بھی مجھ سے ایک جوڑا منگوایا تھا اور میں نے آپ کا ذوق، معیار اور پسند دیکھتے ہوئے ریشم کا وہ جوڑا ایک ہزار درہم میں خریدا تھا، اور آپ نے اس کپڑے پر ہاتھ رکھتے ہی یہ کہا تھا: بڑا کھردرا ہے، لیکن آج آپ اس معمولی کپڑے کی تعریف کر رہے ہیں جس کی قیمت صرف آٹھ درہم ہے، اور یہ واقعی موٹا اور کھردرا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا: میں بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتا ہوں، ایک مقام جب مجھے حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بلند مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے امارت ملی تو خلافت کا شوق ہوا، خلافت کا منصب ملا تو جنت کا خیال دل میں پیدا ہوا اور میرے اندر یہ تبدیلی اسی خیال کا نتیجہ ہے، دعا کرو یہ خیال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے"۔

چلتے چلتے ایک واقعہ اور سنتے جائیے، عبرت کے لیے کافی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آٹھ لڑکے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے، جب وہ بستر مرگ پر تھے تو لوگوں نے پوچھا، آپ نے اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑا؟ فرمایا: میں نے ان کے لیے خدا کا ڈر چھوڑا، تقویٰ چھوڑا، نیکی کا راستہ چھوڑا۔ اگر وہ نیکی کے راستہ پر چلیں گے تو قدم قدم خدا کا فضل شامل حال رہے گا، اور اگر وہ بدی کی راہ اپنائیں گے تو میں نہیں چاہتا کہ میں ان کے لیے کوئی ایسی چیز چھوڑ کر جاؤں جو معصیت میں ان کی مدد کرے، حضرت عمر بن عبدالعزیز جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے لڑکوں کے حصہ میں صرف ۱۲-۱۲ درہم آئے۔

بقیہ: مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا جہیز!

"واتقوا اللّٰہ فی النساء فإنّهنّ عند کم عوان لا يملكنَ لِانفسهن شيئًا" (عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہاری دست نگر ہیں)۔

کیا تمہیں یاد نہیں کہ رسول اسلام نے اس نبی برحق نے جس نے تمہارے سر پر اشرف الامم کا تاج رکھا اپنی چہیتی بیٹی کو اس چہیتی بیٹی کو جس سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ آتیں تو آپ محبت سے بے قابو ہو کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے، جہیز میں کیا دیا تھا کیا تمہیں یاد نہیں کہ چکی پیستے اور پانی کا مشک ڈھوتے ہاتھ اور جسم میں نشان پڑ گئے تھے۔

تمہاری غیرت اسلامی کو کس کی نظر لگ گئی تم دیگر قوموں کی دیکھا دیکھی کس راہ پر چل پڑے، تم تو دوسری قوموں کے لیے منارۂ نور تھے پھر تم کہاں اور کدھر جا رہے ہو، کان لگا کر سنو خدائی آواز آ رہی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو! اپنے کان تو کھولو تمہارے رسول فداہ ابی وامی کیا فرما رہے ہیں:

"کل امتی يدخلون الجنة الا من ابى، قيل و من ابى قال من اطاعنى دخل الجنة و من عصانى فقد ابى". (بخاری) (میری امت کے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا)۔

ہم دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ جہیز کے معاملہ میں حضور ﷺ کی اطاعت کر رہے ہیں یا نافرمانی؟

اسلام کا نظام معاملات

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیا کا نظام، معاملات کے توازن پر قائم ہے، جب بھی اس میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے اندر سے ایسا اضطراب اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے جو پورے نظام کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ یہ معاملات افراد کی سطح پر بھی ہوتے ہیں اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ دنیا کے نظام میں ابتری کا بنیادی سبب ان ہی معاملات میں اونچ نیچ ہے؛ یہ اونچ نیچ جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنے ہی زیادہ حالات بگڑتے ہیں اور اسی طرح معاملات جس وسیع پیمانہ پر عدم توازن کے ساتھ انجام پاتے ہیں اس کے نتائج بھی اتنے ہی وسیع اور گہرے ہوتے ہیں۔

معاملات میں توازن قائم رکھنے کے لیے جو اصول و ضوابط بنائے جاتے ہیں وہ مختلف ہوتے ہیں، دنیا کے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں نے اپنے حالات اور مفادات کے اعتبار سے وہ اصول مرتب کیے ہیں۔

مزاج اور کیفیات کا اختلاف ایک طبعی چیز ہے، بعض قوموں میں خود پسندی اور مفاد پرستی زیادہ ہوتی ہے اور کچھ میں کم، لیکن عام طور پر یہ چیز کم زیادہ ہر قوم اور ہر ملک میں پائی جاتی ہے، مساوات انسانی کے نعرے عام طور پر کھوکھلے ہوتے ہیں، ہر انسان کے لیے یکساں ہمدردی کے جذبات خال خال لوگوں میں پائے جاتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ معاملات میں توازن قائم رکھنے کے جو اصول بتائے جاتے ہیں ان میں عام طور پر پورا توازن قائم نہیں رہ پاتا۔ اس وقت پوری دنیا کے معاملات اسی عدم توازن کے ساتھ انجام دیے جارہے ہیں؛ جس کا نقصان یہ ہے کہ انسان خانوں میں تقسیم ہوگیا ہے، اور جتنی وحدتیں (Units) قائم کی جاتی ہیں اتنی ہی تقسیم بڑھتی جاتی ہے، ہر یونٹ کو اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی مساوات اور ہمدردی کا مظاہرہ کرے لیکن بگڑی ہوئی انسانی طبیعت کا اپنی جگہ سے ہٹنا آسان نہیں۔

پوری دنیا کے لیے یہ ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے، اور اس کا خطرہ ہے کہ کہیں یہ چیز بڑھتی ہی نہ چلی جائے اور دنیا سول وار (Civil War) کا شکار نہ ہوجائے۔ اس کا حل صرف ایک ہی ہے کہ نظام معاملات کا طے کرنے والا اور اس کے اصول بنانے والا ایسا ہونا چاہیے جو ان انسانی ترجیحات سے بلند ہو اور سب انسان اس کے لیے یکساں اور برابر ہوں؛ یہ بات کسی انسان کے بس سے باہر ہے، اس کے لیے کوئی نظام اگر متوازن ہوسکتا ہے تو وہ صرف انسانوں کے پیدا کرنے والے کا ہی ہوسکتا ہے جو انسانوں کی نفسیات اور مزاج سے خوب واقف ہے، انسان سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں، اور ہر ایک کو اپنی بنائی ہوئی چیز پیاری ہوتی ہے، اللہ کو انسانوں سے پیار ہے، جب انسانوں پر ظلم ہوتا ہے تو اللہ کا غضب بھڑکتا ہے، وہ ظالموں سے ضرور بدلہ لیتا ہے البتہ اس کے یہاں دیر ہوسکتی ہے لیکن اندھیر نہیں۔

اللہ نے انسانوں کے لیے جو معاملات کا نظام اور اس کے اصول وضوابط طے فرمادیے ہیں وہ سب انسانوں کے لیے یکساں رحمت ہیں، وہ امیر ہوں یا غریب، طاقتور ہوں یا کمزور، پڑھے لکھے ہوں یا جاہل۔ اگر ان اصولوں کو برتا جائے تو دنیا جنت بن جائے!

یہ آسمانی اصول وضوابط دنیا میں صرف اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں اور نازل کی ہوئی کتابوں سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں، اس کے پیغمبر ہر زمانے میں اور ہر قوم میں آئے لیکن قوموں نے بہت کم ان کی بات مانی اور بہت جلد ان کو بھلا دیا؛ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے مذہب عیسائیت کا حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھتے ہی سینٹ پال نامی یہودی نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر حضرت عیسیٰ کی سب تعلیمات بدل ڈالیں۔ دنیا کی

کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے آسمانی کتاب کو محفوظ رکھا ہو اور اپنے نبیوں کی باتوں کی حفاظت کی ہو؛ اس کا اعتراف ہر ایک کو ہے۔ اگر کوئی دین ہے جس نے آسمانی کتاب کی پوری طرح حفاظت کی تو وہ صرف اسلام ہے؛ قرآن مجید تنہا وہ آسمانی کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف اسی طرح محفوظ ہے جس طرح وہ اترا، اسی طرح تنہا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں جو ہزاروں صفحات میں پوری طرح محفوظ ہیں؛ اس لیے دنیا کی رہنمائی اگر کوئی مذہب کرسکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔

معاملات کے اصول وضوابط اسلام نے پورے توازن کے ساتھ بیان کر دیے ہیں، بنیادی طور پر قرآن مجید کی اس آیت میں اس کی طرف صاف اشارہ موجود ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے لیے اسباب زندگی بانٹ دیے ہیں)۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اسلام کے معتدل نظام معاملات میں ہر ایک کو اس کا حق دیا گیا ہے اور وہ ہر طرح کے افراط وتفریط سے پاک ہے، اور کیوں نہ ہو؟! یہ تقسیم اس عزیز وعلیم اور خبیر وحکیم کی جانب سے ہے جو مخلوق پر بڑا رحیم وکریم بھی ہے۔

معاملات کے سلسلہ میں یہ بڑا بنیادی اور قیمتی اصول ہے کہ "لا ضرر و لا ضرار" کسی صورت میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ اسلام ہی کے معتدل نظام حیات کا ایک حصہ ہے کہ اس میں جس طرح نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اسی طرح نقصان اٹھانے سے بھی منع کیا گیا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے "لایُلدَغ المؤمن من جُحرٍ مرّتینِ" (مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا)۔ "المؤمن غِرٌّ کریمٌ" (مومن سادہ اور شریف ہوتا ہے) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو چاہے اس کو دھوکہ دے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے کسی کو نہ دھوکہ ہوتا ہے اور نہ نقصان پہنچتا ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ عقلِ ایمانی انسان کو اس مقام پر پہنچا دیتی ہے جہاں پہنچ کر بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں دنگ رہ جائیں۔

اسلام نظام معاملات کا یہ ایک اہم اصول ہے کہ اس میں کسی کو کسی نوعیت کا نقصان نہ پہنچے، یہاں تک کہ اگر غیر شعوری طور پر بھی کسی کو نقصان پہنچ رہا ہے تو ایسے معاملہ کو روا نہیں رکھا گیا، اور جن معاملات میں کھل کر نقصان پہنچایا جارہا ہو ان پر سخت نکیر کی گئی ہے، ذیل میں اس کی چند شکلیں درج کی جارہی ہیں:

ناپ تول میں کمی کے ذریعے عام طور پر خریدنے والے کو نقصان پہنچتا ہے، اور بیچنے والا اس میں اپنا فائدہ سمجھتا ہے اور خریداروں کو دھوکہ دیتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ چیز تجارت کو ماند کر دیتی ہے، اور آہستہ آہستہ ایسا کرنے والے کا کاروبار ٹھپ ہوجاتا ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں پر سخت نکیر کی گئی ہے۔ اور حضرت شعیبؑ کو ایسی قوم کے پاس بھیجا گیا تھا جس کا کام ہی ناپ تول میں کمی کرنا تھا، جب ان لوگوں نے بات نہیں مانی تو ان پر عذاب آیا۔ اس میں وہ شکلیں بھی داخل ہیں جن میں بیچی جانے والی چیز کے عیوب چھپائے جائیں اور ملمع سازی کر کے چیز زیادہ قیمت میں بیچ دی جائے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا گذر بازار سے ہوا، وہاں گیہوں بک رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کے ڈھیر میں اپنی چھڑی داخل فرمائی تو وہ اندر سے گیلا تھا، جب آپ ﷺ نے گرفت فرمائی تو جن کا گیہوں تھا انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! رات بارش ہوئی تھی، یہ سب بھیگ گیا تھا، اوپر کا خشک ہوگیا، اندر ابھی گیلا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اندر کا اوپر کیوں نہ کر دیا؟ کوئی دھوکہ سے پورا ڈھیر خشک سمجھ کر خرید لے گا تو اس کا نقصان ہوگا!

یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ جس چیز پر بھی معاملہ ہورہا ہے اگر اس میں کوئی عیب ہے تو وہ بتادیا جائے یہاں تک کہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر عیب نہ بتایا گیا تو خریدنے والے کو بعد میں اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس عیب کی بنا پر خریدی ہوئی چیز واپس کرسکتا ہے۔

اس کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک بڑے عالم نے ایک گھوڑا خریدنے کے لیے اپنے خادم کو بھیجا وہ دوسو درہم میں گھوڑا خرید کر لایا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ گھوڑا دوسو کا نہیں اس سے

زیادہ قیمتی ہے، اس میں یقیناً بیچنے والے کا نقصان ہے۔ وہ خود تشریف لے گئے اور اپنی طرف سے قیمت میں اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ تقریباً چھ سو دینار میں انہوں نے گھوڑا خریدا، اور مزید چار سو دینار ادا کیے۔ یہ مکمل اسلامی تعلیمات ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ جب دیہات کے لوگ مال بیچنے کے لیے شہر آئیں تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان سے پورا اسٹاک خرید لیا جائے، وجہ اس کی یہی ہے کہ اس میں دو قسم کے لوگوں کو نقصان ہے، ایک نقصان اس دیہاتی کا ہے کہ اس کا مال سستا بک گیا، اگر وہ خود شہر میں جاتا تو اس کو مناسب قیمت مل جاتی، اور دوسرا نقصان عام لوگوں کا ہے کہ چالاک تاجر اس طرح مال خرید کر اسٹاک کر لیتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں کساد بازاری پیدا ہوتی ہے اور قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اس لیے عام حالات میں ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، ہاں اگر خریدنے والا دیہاتی کو مناسب قیمت دے رہا ہے، پھر وہ کساد بازاری پیدا نہیں کرتا بلکہ ضرورت کے مطابق مال بیچتا رہتا ہے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو علاج کرے اور وہ علاج کے طریقوں سے واقف نہ ہو پھر اس کی وجہ سے کوئی مر جائے یا اس کو نقصان پہنچ جائے تو اس کا تاوان اس علاج کرنے والے کو دینا ہوگا۔

حاصل یہ کہ معاملات کی جن شکلوں میں بھی دوسرے کو نقصان پہنچ رہا ہو ان سے بچنا ضروری ہے، وہ شکلیں عام طور پر جائز نہیں یا کم از کم مکروہ ہیں۔ ''لا ضرر و لا ضرار'' میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی دوسرا نقصان پہنچا رہا ہے تو بھی ایک مسلمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ بھی بدلہ میں دوسرے کو نقصان پہنچائے۔ اپنا حق لینا الگ چیز ہے لیکن نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔

آج انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی کاروبار کی ایسی شکلیں رائج ہوتی جا رہی ہیں جن میں صرف اپنا نفع پیش نظر ہوتا ہے، دوسرے کو دھوکہ دے کر جھوٹ بول کر آدمی اپنی جیب بھرنے کی فکر کرتا ہے۔

یہ دور پروپیگنڈہ کا ہے، ہر تجارت اور ہر کمپنی پروپیگنڈہ پر آمدنی کا بڑا حصہ صرف کرتی ہے، اور اکثر و بیشتر وہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہوتا ہے، سارا زور پیکنگ پر دیا جاتا ہے، اس کے اندر خواہ کیسا ہی ردی مال ہو، اچھی پیکنگ کے ذریعہ مال بازاروں میں سپلائی کیا جاتا ہے؛ یہ ساری چیزیں اسلامی اصول و معاملات کے خلاف ہیں، حدیث میں صاف صاف حکم دیا گیا ہے کہ مال میں جو بھی خرابی ہو وہ صاف صاف بتا دی جائے، ایک حدیث میں آیا ہے: ''التجار یُبعَثون فجاراً یوم القیامة، إلّا من اتقی اللّٰہ و برّ و صدق'' (تاجروں کو فاسقوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا سوائے ان کے جو پرہیزگاری برتیں اور نیکی کریں اور سچ بولیں)، اور جو سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہے: ''التاجر الصدوق الأمین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء'' (سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صادقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا)۔

شکر کے آنسو

رسول اللہ ﷺ کا بچپن بنی سعد میں گزرا، ان کی دائی حلیمہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مکہ والوں سے ابتدائی لڑائیوں میں بنی سعد سے بھی زبردست جنگ کرنی پڑیں۔ بنی سعد کو شکست ہوئی تھی اور ان میں سے بہت سے اشخاص قیدی بنا لیے گئے تھے، ان میں سے ایک قیدی عورت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی اور اس نے کہا: ''میں آپ کی دائی حلیمہ کی لڑکی ہوں''۔ یہ دیکھئے میرے بازو پر اب تک وہ داغ ہے جہاں آپ نے کاٹا تھا، جب میں آپ کو گود میں اٹھائے پھرتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے داغ کو پہچانا اور آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ ﷺ نے شکر گزاری کے جذبہ کے تحت لڑکی سے کہا اگر وہ ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ان کے ساتھ رہے، اگر واپس جانا چاہتی ہے تو ایک گراں قدر تحفہ لے کر واپس چلی جائے۔ اس نے تحفہ قبول کیا اور اپنے گھر واپس چلی گئی۔

مفتی راشد حسین ندوی

نکاح وطلاق کی ناجائز رسوم اور غلط طریقے

ایک لمحۂ فکریہ

آنحضرت ﷺ نے طرح طرح کے مصائب اور مشکلات برداشت کر کے ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کی تھی، بعثت کے وقت سماج میں طرح طرح کی خرابیاں اور بے حیائیاں پھیلی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے ایک ایک کو چن کر مٹا دیا، اور ہر طرح کی برائیوں اور خرابیوں سے پاک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں لانے میں کامیاب ہوئے جس کو دیکھ کر دشمن بھی دنگ رہ جاتے تھے، اور نہ چاہنے کے باوجود اس کی تاثیر سے اپنے آپ کو نہیں بچا پاتے تھے، صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کی سچی محبت میں سرشار تھے، انھوں نے اپنی پوری زندگی آنحضور ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں تبدیل کر ڈالی، مکمل طور سے اسلامی رنگ میں رنگ گئے، اسی لیے تاریخ گواہ ہے کہ یہ نقوش قدسیہ دنیا کے جس علاقہ اور خطہ میں پہنچے وہاں انھوں نے انقلاب پیدا کر دیا، اتنا زبردست اثر ڈالا کہ لوگوں نے نہ صرف ان کے دین یعنی دین اسلام کو قبول کر لیا، بلکہ ان کی چال ڈھال انداز لباس اور عادت اطوار حتیٰ کہ ان کی زبان یعنی عربی کو بھی اختیار کر لیا۔

لیکن اب اس مبارک دور سے دوری کے سبب مسلم معاشرہ پھر بہت ساری خرابیوں رسموں اور برائیوں کا شکار ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے خود ان کو بھی پریشانیاں جھیلنی پڑتی ہیں، ساتھ ہی ان خرابیوں کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لوگ مسلمانوں سے بدظن ہو جاتے ہیں بلکہ ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خرابیاں خاکم بدہن ان کے مذہب اسلام کی وجہ سے ہیں، اور اس طرح وہ خود اسلام ہی سے نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں، یہ کتنے افسوس کی بات ہے مسلم معاشرہ کو تو مثالی معاشرہ ہونا چاہیے تھا جس طرح صحابہ کرامؓ کا معاشرہ تھا، کہ لوگ اس کو دیکھ کر متاثر ہوتے، ان کے اندر اسے اپنانے کا جذبہ پیدا ہوتا، اور پورے کے پورے علاقے جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے، لیکن ہوا اس کے برعکس ہو رہا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے معاشرہ اور سماج کا جائزہ لیں اور غلط رسوم کو مٹانے کی کوشش کریں۔

غور کرنے کی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں، لیکن ہم صرف یہاں نکاح اور طلاق میں در کر آنے والی برائیوں کو بطور مثال عرض کرنا چاہتے ہیں، جن کی وجہ سے مسلمانوں کی جگ ہنسائی ہوتی ہے، اور خود مسلم معاشرہ ان کے سبب پریشانیوں کا شکار ہے۔

آنحضرت ﷺ نے نکاح کو اپنا طریقہ قرار دیا، قرآن مجید نے اس کی اجازت دی، فقہاء نے اس کے سلسلہ میں تفصیلات بیان کیں، اور ذکر کیا کہ نکاح کبھی فرض ہوتا ہے، کبھی واجب، کبھی سنت اور کبھی ناجائز ہر ہر حالت کو خوب کھول کر بیان فرمایا، اس لیے کہ نکاح جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے، جنسی تقاضے انسانی فطرت کے تقاضے ہیں، اور اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی بھی فطری اور جبلی تقاضے پر پابندی نہیں لگاتا، اسی لیے نہ صرف یہ کہ نکاح کی اجازت دی گئی بلکہ اگر برائیوں میں پڑ جانے کا یقین ہو تو نکاح کو فرض قرار دیا گیا، آنحضرت ﷺ نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''نوجوانوں! تم میں سے جس کے پاس شادی کا خرچ ہو وہ شادی ضرور کرے، اس سے نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے'' (متفق علیہ)

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کو ایسا شخص پیغام دے جس کے دین واخلاق سے راضی ہو تو شادی کرا دو، اگر یہ نہیں کرو گے تو دنیا میں فساد عظیم پھیل جائے گا'' (ترمذی) نیز حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ برکت میں سب سے بڑھا ہوا نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم سے کم ہو (بیہقی)

اتنی زیادہ اہمیت والی چیز کو آسان ہونا ہی چاہیے، اس لیے کہ

اللہ کی سنت یہ ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ ضرورت کی ہو اس کو اللہ اتنا ہی سہل الوصول اور آسان بنا دیتا ہے، مثلاً ہوا اور پانی انسان سمیت تمام حیوانوں کے لیے بڑی ضرورت کی چیزیں ہیں، اسی لیے اللہ نے سب کے لیے ان کا حصول بالکل سہل اور آسان بنا رکھا ہے، اسی طرح نکاح بہت ہی ضرورت اور اہمیت کی چیز تھی، اسی لیے اس کو بہت ہی آسان بنا دیا گیا تھا، اور سادگی سے کرنے کی تاکید کی گئی تھی، اس دور میں صرف دو چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی، ایک مہر، دوسرے ولیمہ، مہر عورت کا حق تھا مرد کو مہیا کرنا پڑتا تھا، اس میں بھی ایسا مہر مقرر کرنا منع تھا جس کی ادائیگی مشکل ہو جائے اور ولیمہ میں اتنی سادگی تھی کہ اپنے چند دوستوں کو گوشت روٹی کھلا دی، یا صرف حاضرین کو کوئی میٹھی چیز کھلا دی بس ولیمہ ہوگیا، آنحضرت ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کا ولیمہ صرف ''حیس'' سے کیا جو کھجور، پنیر اور گھی ملا کر بنایا جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم) بعض ازواج کا ولیمہ صرف دو مد جو سے کیا، دو مد کی مقدار دو کلو سے بھی کم ہوتی ہے (بخاری) آنحضرت ﷺ نے سب سے شاندار ولیمہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے وقت کیا تھا، اس دعوت کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، لیکن شہنشاہ دو عالم، سرور کائنات ﷺ کا یہ ولیمہ کیسا تھا حضرت انس سے سنئے، فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ نے جیسا (عظیم الشان) ولیمہ حضرت زینبؓ کا کیا، اس طرح کسی کا نہیں کیا، آپ ﷺ نے ایک بکری سے ولیمہ کیا۔ (بخاری مسلم)

صحابہ کرامؓ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کا شمار رؤساء اور مالداروں میں کیا جاتا ہے، انھوں نے مدینہ ہی میں رہتے ہوئے شادی کی، لیکن آنحضرت ﷺ کو بھی پتہ نہ چل سکا آپ ﷺ نے ان کے کپڑوں پر بعض نشانات دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا کہ انھوں نے شادی کر لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی سے کیوں نہ ہو'' (متفق علیہ)

شادی اور نکاح کے سلسلہ میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ ہی اختیار کرنے کا امت کو حکم اور ہدایت ہے، لیکن ہم خود غور کر سکتے ہیں کہ اس اسوہ کو ہم نے کہاں تک اختیار کر رکھا ہے اور اس پر ہمارا کتنا عمل ہے؟ اگر ہم اسی سادگی پر رہتے تو برادران وطن ہم کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے، ہندوستانی رسم و رواج کے ڈسے ہوئے اسلام کے دامن میں پناہ لینے کے بارے غور کرتے، لیکن افسوس! ہم نے خود برادران وطن کی تقلید میں ایک ایک رسم کو اپنانے کی کوشش کی، ان رسوم کا سلسلہ پیغام اور منگنی ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور شادی کے کافی دنوں بعد تک رہتا ہے، دن تاریخ رکھنے کے نام سے منگنی ہی میں اتنی دھوم مچائی جاتی ہے کہ شریعت اتنا اہتمام اصل نکاح اور ولیمہ میں بھی روا نہیں رکھتی، پھر شادی میں کون سی ایسی رسم جو ہم نے برادران وطن سے نہ لے رکھی ہو، سہرا بھی ہے، خاص قسم اور رنگ کے لباس بھی ہیں، جہیز کی بھرمار بھی ہے، دلہن کے کئی جوڑ کپڑے ہونے چاہیے، صرف دولہا اور دلہن ہی نہیں ہر فریق دوسرے فریق کے سارے گھر کے کپڑے ضرور تیار کرائے، یہاں تک کہ جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کے نام سے بھی کپڑے بھیجنا ضروری ہے، قریبی اعزاء بھی آئیں تو گھر کے مالک اور مالکن کے کپڑے لانا ضروری ہے، لڑکی کی شادی ہے تو کوئی تحفہ نہ لائے تو ناک کٹ سکتی ہے، بارات میں لڑکے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ اتنی تعداد لائی جائے کہ علاقہ بھر میں شہرہ ہو جائے اور کہا جائے کہ اتنی بڑی بارات پہلی بار دیکھی، پھر کوشش اس کی کی جاتی ہے کہ کھانے میں بھی اتنا تنوع کر دیا جائے کہ لوگ کچھ دن تک اس کا چرچہ کرتے رہیں، الغرض رسموں کو اتنا بڑھا دیا گیا ہے کہ شادی کا اصل مفہوم ہی اس سے جاتا رہا، بجائے خوشی کے اس کے تصور ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے، لوگ سودی قرضوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جن کے پاس اتنی دولت نہ ہو وہ حسرت و یاس کی تصویر بن جاتے ہیں، نہ جانے کتنی بچیاں شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں، غور کیا جائے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی شادی میں کیا امتیاز باقی رہا ہے؟ شاید صرف اتنا کہ یہاں مولوی صاحب اگر نکاح پڑھاتے ہیں اور وہاں پنڈت پھیرے لگواتا ہے، پھر تعجب اس پر ہے کہ پورا معاشرہ ان رسوم و رواج سے پریشان ہے، اس کے باوجود معاشرتی دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ ان سے

چھٹکارہ پانے کے لیے پہل کرنے کی ہمت کوئی بھی اپنے اندر نہیں پاتا اس طرح کی صورت حال میں اگر امیدیں ہیں تو صرف نو جوانانِ اسلام سے، وہ اگر پختہ ارادہ کرلیں تو یہ رسوم مٹ سکتے ہیں، اور ممکن حد تک سادگی لائی جاسکتی ہے، مثلاً:

(۱) منگنی کا غیر معمولی اہتمام ختم کر دیا جائے، دن تاریخ سادگی سے رکھنا بھی ممکن ہے۔

(۲) باجے گاجے اور کھیل تماشوں کی مسلمانوں کے یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے اس کو بہر صورت ختم کیا جائے۔

(۳) بارات میں صرف اتنے ہی لوگوں کو لے جانے کا معمول بنانے کی کوشش کی جائے جن کا لے جانا اشد ضروری ہو، جتنا ممکن ہو سکے تعداد محدود کر دے اور بلاوجہ گاڑیوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔

(۴) جہیز اگر دینا ہی ہو تو اس کی نمائش بند کی جائے، اس پر تفاخر ختم کیا جائے، شادی کے دن اس کا لین دین کرنے کے بجائے بعد میں کرلیا جائے، اگر فوری طور پر اس سمت میں اقدام نہ کیے گئے تو وہ دن دور نہیں جب ہندوستان ہی کے بعض علاقوں کی طرح جہیز اور نقدی کے مطالبات بھی شروع ہو جائیں گے۔

(۵) ولیمہ کرنا بلاشبہ سنت ہے، لیکن اس میں بھی غیر معمولی اسراف نہ کیا جائے، صرف اس حد تک ہو جس کا خرچ آسانی سے برداشت کرنے کی طاقت ہو!

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو لوگ کسی اچھے طریقہ کو رائج کرتے ہیں ان کو بعد میں تمام عمل کرنے والوں کا ثواب بھی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا جو نوجوان شادی میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ اپنانے کی کوشش کریں گے، اور سادگی اپنائیں گے انشاء اللہ بعد میں تمام عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ان کو حاصل ہوگا۔

طلاق کی برائیاں: نکاح زندگی بھر کے لیے کیا جانے والا عقد ہے، لیکن کبھی کوئی رشتہ ایسا بھی ہو جاتا ہے جس میں مزاج کا بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے، اور زندگی بھر ساتھ نبھانا ممکن نہیں ہوتا، اسی نکتہ کے پیش نظر شریعت نے طلاق کی اجازت دی، لیکن حلال چیزوں میں اس کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز قرار دیا گیا، پھر جب ضرورت پڑ جائے تو طلاق کا سب سے بہتر طریقہ یہ بتایا گیا کہ عورت جب پاکی کی حالت میں ہو، شوہر نے اس پاکی کے زمانہ میں اس سے خاص تعلق قائم نہ کیا ہو تو ایک طلاق دے دے، پھر اس سے دور رہے یہاں تک کہ عورت کی عدت ختم ہو جائے، دوسرا جائز طریقہ یہ بتایا گیا کہ اسی طرح کی پاکی کی حالت میں ایک طلاق دی جائے، پھر دوسری پاکی آئے تو دوسری طلاق دی جائے، تیسری پاکی آئے تو تیسری طلاق دی جائے۔

اگر ایک ساتھ تین طلاق دی جائے، یا حالت حیض میں طلاق دی جائے تو بتایا گیا کہ طلاق پڑ جائے گی لیکن بہت گناہ ہوگا، آج ہمارے معاشرہ میں یہی ناجائز طریقے رائج ہیں، جب بھی طلاق دیں گے تین سے کم نہ دیں گے، اور کبھی بھی اس کا پتہ نہیں لگایا جاتا کہ عورت پاکی کی حالت میں ہے یا نہیں اسی لیے طلاق دینے کے بعد پچھتاتے پھرتے ہیں، اگر جائز طریقہ سے طلاق دی جاتی تو بعد میں بڑی گنجائش رہتی، نہ طلاق دینے والے کو دقت ہوتی نہ مسلم معاشرہ کی جگ ہنسائی ہوتی! اللہ ہمیں اصلاح کی توفیق دے۔

حسن سلوک کی تاثیر

زیدؓ پیدائشی عیسائی تھے۔ بچپن میں ایک مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ کسی قافلہ میں سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں ڈاکو قافلے پر حملہ آور ہوئے، زید کو پکڑ کر لے گئے اور انہیں لے جا کر غلام کے طور پر بیچ ڈالا۔ زیدؓ کو حکیم نے خریدا اور بعد میں اسے اپنی پھوپھی خدیجہؓ کو پیش کر دیا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت خدیجہؓ نے زید کو اپنے شوہر محمد ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حاجیوں کے ایک گروہ نے زید کو مکہ میں دیکھا اور واپس جا کر اس کے باپ کو خبر دی۔ زید کا باپ بیتاب ہو کر مکہ پہنچا اور تاوان ادا کر کے اسے واپس لینا چاہا۔ باپ کی بیتابی دیکھ کر آقا ﷺ کا دل پسیج گیا۔ آپ ﷺ نے کسی قسم کا تاوان لیے بغیر غلام کو آزاد کر دیا اسے اور اس کے باپ کے حوالے کر دیا لیکن زید نے کہا: ''مین اب واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے ماں باپ سے زیادہ عزیز ہیں''۔

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قرآن کریم کا تصور مال

مال کے تعلق سے قرآن کریم کچھ اصولی ہدایات دیتا ہے، جن کی بنیاد پر مال کو ٹھیک ٹھیک خرچ کیا جاسکتا ہے، قرآن کریم سب سے پہلے یہ تصور دیتا ہے کہ مال اللہ کا فضل ہے، انسان کا ذاتی کمال نہیں، فساد کی جڑ انسان کا یہ تصور ہے کہ جو مجھے ملا ہے وہ میرا ذاتی کمال ہے، جس کے نتیجہ میں کنجوسی وجود میں آتی ہے اور مال میں جمود پیدا ہوتا ہے، قرآن یہ تصور بخشتا ہے کہ مال اللہ کا فضل ہے، اس لیے اسے خوب خرچ کیا جائے، اور ان تک ممکن حد تک پہنچایا جائے جو اس سے محروم ہیں، زکوٰۃ، صدقات، عطیات وغیرہ اسی کی قسمیں ہیں، اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ چونکہ مال اللہ کے فضل سے حاصل ہوا ہے (یہی صحیح بھی ہے ورنہ دنیا کا سب سے مالدار شخص سب سے زیادہ ذہین، عقلمند، محنتی اور تعلیم یافتہ ہوتا، جب کہ ایسا نہیں ہے) اس لیے اس کا خرچ کرنا ہی دراصل اس کی حقیقی منفعت ہے، اور یہی مال کے اضافہ کا ذریعہ بھی ہے، اس کا صاف اعلان ہے: ﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ (سبا:۳۹) (تم جو بھی خرچ کروگے وہ تمہیں اس کا عوض عطا کرے گا)، البتہ خرچ کرنے میں وہ اعتدال کو پیش نظر رکھنے کی تاکید کرتا ہے، ایسا خرچ اسے پسند نہیں جس کے نتیجہ میں آئندہ ہاتھ پھیلانے کی نوبت آئے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً﴾ (بني اسرائيل:۲۹) (اپنے ہاتھوں کو گردن کی طرف لے جا کر باندھ نہ دو، نہ ان کو بالکل کھلا چھوڑ دو، پھر یہی ہوگا کہ حسرت سے آہیں بھرتے، اپنے آپ کو ملامت کرتے بیٹھے رہوگے)، مال کے حصول کے لیے وہ گداگری کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اپنی محنت کی کمائی کھانے پر اس نے زور دیا ہے، پوری زمین انسان کے لیے ہموار کردی گئی ہے تاکہ اس کے سینے پر وہ تگ ودو کرکے اللہ کا دیا ہوا کھائے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ﴾ (ملك:۱۵)، اس کا صاف اعلان یہ ہے: "واسئلوا اللہ من فضلہ" () بچوں کے ہاتھ مال دینا اسے پسند نہیں، اس سے خرابیاں پھیلتی ہیں، اولاد کی صحیح تربیت کے لیے ضروری ہے کہ ان کے ہاتھ میں "مال" جیسی نازک چیز نہ دی جائے، یہ دودھاری تلوار ہے، اور کچی عمریں بھی ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھتی ہے، چاہے انگارہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ ان کو فراغت کے ساتھ کھلانے پلانے کا حکم قرآن کریم نے دیا ہے تاکہ بچے کسی قسم کے احساس محرومی کے ساتھ پروان نہ چڑھیں، ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَاماً وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفاً﴾ (نساء:۵) (نادانوں کو اپنا مال نہ دو جس مال کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، اسی مال میں سے ان کو کھلاؤ پہناؤ، اور ان سے بھلی بات کہتے رہو) یعنی ان کی طرف سے بے جا ضد ہو تو خوش اسلوبی کے ساتھ معاملہ کو نمٹا دو۔ معیشت کو سنبھالنے کے لیے قرآن کریم نے یہ بھی اصول مرحمت فرمایا کہ کبھی اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی کوشش نہ کی جائے، یہ خواہش انسان کو بہت ذلیل کرتی ہے، کبھی قرض مانگنا پڑتا ہے، کبھی ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، اور بسا اوقات اس خواہش میں اندھا بہرا ہوکر انسان مکاری اور ظلم کے اوچھے ہتھکنڈوں کو اختیار کرتا ہے اور اپنی دنیا و عاقبت برباد کرتا ہے، قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّهُ لَا يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْساً إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْراً﴾ (طلاق:۷) (وسعت

والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جسے قدرت کی طرف سے کم رزق ملا ہو تو جتنا اللہ نے دیا ہے اسی میں خرچ کرے، کسی انسان کو اللہ نے اس کی گنجائش سے زیادہ کا پابند نہیں کیا ہے۔ (اس حکم پر عمل پیرا ہوگے تو) عنقریب اللہ تعالی تنگی کے بعد فراخی کا دور بھی دکھائے گا)۔ اوپر والی آیت میں "وارزقوھم فیھا" کہا گیا ہے، یعنی اپنے مال کے دائرے میں رہ کران کو کھلاؤ۔ لفظ "فی" یہاں نظام معاش کا یہ اصول فراہم کر رہا ہے کہ خرچ آمدنی کے دائرے کے اندر ہو، اس دائرہ کو ہرگز پار نہ کیا جائے، یہی خودداری ہے۔

موجودہ نظام معیشت کو انسانی آبادی کی فکر بہت ستاتی ہے، رات دن بیچارے مادّی انسان اسی فکر میں گھلے جارہے ہیں (یہ ہم نے محاورتاً لکھا ہے، ورنہ کسی مادی پرست کو ہم نے انسانیت کی فکر میں گھلتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، اور امید ہے کہ آئندہ بھی نہیں دیکھیں گے) کہ آبادی اس قدر بڑھ جائے گی تو پھر معیشت تباہ ہوجائے گی، اور انسان فاقوں سے مرنے لگیں گے، یہ ایک بچکانہ طرز فکر ہے، جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں، قرآن کا دعوی یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ کا رزق کھانے والوں سے زیادہ رہا ہے، ذرا اس آیت پر غور کریں: ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ﴾ (ملك:١٥) (اسی اللہ نے تمہارے لیے زمین کو ہموار کیا لہٰذا تم اس کی پشت پر چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ)، "کلوا من رزقه" یہ چھوٹا سا ٹکڑا ماہرین اقتصادیات کی مہارت پر سوالیہ نشان قائم کر رہا ہے، "اس میں سے کھاؤ" اسی وقت کہا جاتا ہے جب کھانا ضرورت سے بہت زیادہ ہو، اللہ کا یہ اعلان تمام انسانوں کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے، قرآن کریم کے اعلانات وقتی نہیں ہوتے، اس آیت نے قرآنی تصور اقتصاد کی ایک عظیم بنیاد فراہم کردی، وہ یہی کہ رہتی دنیا تک رزق ہمیشہ انسانی ضرورتوں سے زیادہ ہی پایا جائے گا، تاریخ کی روشنی میں اس اصول کا جائزہ لیا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ قحط کے زمانوں کو چھوڑ کر کہ وہ انسانوں کے لیے قدرت کی آزمائش ہوتے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پیداوار حسب معمول ہوئی ہو اور انسانوں کے لیے غذائی قلت کا مسئلہ پیش آیا ہو، جب بھی یہ مسئلہ پیش آیا ہے وہ انسانوں کی اپنی حرص، مفاد پرستی اور مصنوعی بھوک کی وجہ سے پیش آیا ہے کہ ایک طرف غریب ملک فاقہ کشی کا شکار ہوکر مرتے رہے، دوسری طرف امیر ملکوں کے گودام میں اناج کے انبار سڑتے رہے، انسانوں کی اس سفاک حماقت کا الزام قدرت کے سر کیوں ڈالا جائے؟

یاد رکھنے کی بات ہے کہ انسان اپنے گرد وپیش سے اس قدر متاثر رہتا ہے کہ اس سے اوپر اٹھ کر سوچ ہی نہیں پاتا، یہ اللہ کا کلام ہے جو انسان کو اتنا اونچا اٹھاتا ہے کہ وہ ہر معاملہ کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور کنویں کا مینڈک بنا نہیں رہتا، اللہ کی رزاقی کا ایک خاص یقین قرآن کریم پیدا کرتا ہے، جس سے مادی محدود آنکھیں کھل جاتی ہیں اور انسان اپنی تنگ نظری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ فرض کیجیے آج سے ہزار سال پہلے جب دنیا کی کل آبادی شاید چار پانچ کروڑ سے زیادہ نہ ہوگی۔

اگر کوئی یہ کہتا کہ ایک زمانہ وہ آئے گا جب آبادی دوسو گنا بڑھ کر آٹھ ارب تک پہنچ جائے گی تو اس وقت کے تمام ماہرین اقتصادیات متفقہ طور پر یہ "اقتصادی فتویٰ" جاری کرتے کہ ایسی صورت حال پیش آئی تو آبادی کا دسواں حصہ صرف زندگی بسر کرنے کے لائق رہے گا، بقیہ نو حصہ تو ایک ایک لقمہ کو ترستے ہوئے جان دے دیں گے، لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کارخانۂ رزق سے اسی طرح رزق رواں دواں ہے، ہر ایک اپنے حصہ کا رزق کھا رہا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اگلوں سے اچھا اور زیادہ کھا رہا ہے، بالکل اسی طرح آج کے "معاشی دانشور" یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ دنیا کی آبادی آئندہ چل کر آٹھ کھرب ہوجائے تب بھی لوگ فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں گے، ماحول کے قیدی یہ بھی ویسے ہی ہیں جس طرح ہزار سال پہلے کے ماہرین تھے (اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ماہرین

قسم کی کوئی مخلوق اس وقت بھی تھی)۔

مادی انسان کا سکڑا سمٹا ذہن قرآنی ہدایت کے بغیر وہ آفاقیت پیدا کر ہی نہیں سکتا کہ گردوپیش سے اوپر اٹھ کر کچھ سوچ سکے، قرآن اسی سکڑے ہوئے مادی ذہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿قُل لَّوْ أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّىٓ إِذاً لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الإِنفَاقِ وَكَانَ الإِنسَانُ قَتُوراً﴾ (نبي اسرائيل: ١٠٠) (آپ کہیے- اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تب بھی خرچ ہونے کے اندیشے سے (خزانوں کے خزانے) روکے رکھتے، انسان نہایت تنگ دل واقع ہوا ہے)۔

نظام معیشت میں تین طرح سے ناہمواری پیدا ہوتی ہے، کنجوسی، حرص اور اسراف، قرآن کریم ان بیماریوں کو جڑ سے اکھاڑنے کی دعوت دیتا ہے، کنجوسی ایک نفسیاتی مرض ہے، یہ اپنے اوپر ظلم کرنا ہے، جو اپنے مال سے خود ہی فائدہ نہ اٹھا سکا اس سے بڑا احمق کون ہوسکتا ہے؟! (واضح رہے ہم یہاں انفاق فی سبیل اللہ کی بحث کو قصداً پیش نہیں کر رہے ہیں، وہ تو انسانیت نوازی کی سب سے اعلیٰ ترین شکل ہے، یہاں ہم عام انسانی ذہن کو پیش نظر رکھ کر وہ معاشی تصور پیش کر رہے ہیں جو قرآن کا عطا کردہ ہے)۔

اسی طرح حرص بھی حقیقت میں ایک ذہنی مرض ہے، یہ بیٹھے بٹھائے اپنے آپ کو پریشان رکھنے کا نام ہے۔ فرض کیجئے، دو شخص یکساں معاشی پوزیشن رکھتے ہیں، ایک اپنی زندگی پر مطمئن ہے، یا جائز طریقہ سے ترقی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا ہر ایک کی جیب پر نظر رکھتا ہے، اور پیسے کا نام آتے ہی اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے، ان میں کون نارمل (Normal) زندگی گزار رہا ہے اور کون ایب نارمل (Abnormal) ہے بتانے کی ضرورت نہیں، بخیل وحریص کے لیے قرآنی پیغام یہ ہے: ﴿وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (تغابن: ١٦) (جو اپنے دل کی حرص اور بخل سے محفوظ رہے وہی درحقیقت مکمل کامیاب ہیں)، دنیا میں مطمئن زندگی، اور صحیح صاحب ایمان ہو تو آخرت میں اللہ کی رضامندی، انسان کو اور کیا چاہیے؟!

تیسری چیز اسراف ہے، یہ مصنوعی خوشیاں خریدنے کا نام ہے، یہ کاغذی پھول آخر کیا خوشبو دیں گے، بیساکھیوں کے سہارے کیا کوئی اپنے قد وقامت کو بلند کرسکا ہے! دنیا زبان سے کہے یا نہ کہے، دل سے اس کا یقین رکھتی ہے کہ ہزاروں روپئے نام ونمود میں خرچ کرنے والے لکھ پتی سے وہ معمولی انسان بہتر ہے جو اپنی محدود آمدنی میں بھی کچھ پس انداز کر کے کسی یتیم کے آنسو پونچھتا ہے، کسی بھوکے انسان کے پیٹ کی آگ بجھاتا ہے یا کسی بیوہ کے سر پر آنچل اوڑھاتا ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيراً ☆ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً﴾ (نبي اسرائيل: ٢٧) (رشتہ دار کو اس کا حق دو، مسکین کو اس کا حق دو، راہ چلتے مسافر کو اس کا حق دو، بے حساب الٹے سیدھے مال خرچ نہ کرو، غلط سلط مال خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا سب سے بڑا ناشکرا ہے)۔

تقسیم میں عدل

ایک مرتبہ بحرین سے مشکِ نافہ آیا اور خلیفہ عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اسے ہاتھ میں لے کر اس کا تول کرے گا اور سب میں برابر برابر بانٹ دے گا؟ حضرت عمرؓ کی بیوی حضرت عتیقہؓ نے کہا: مجھے دیجیے میں اسے سب میں تقسیم کر دوں گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کوئی شخص اسے ہاتھ میں لے کر اس کا تول کرے پھر میں خود اسے سب میں بانٹ دوں گا۔ حضرت عتیقہؓ پھر بولیں: میں ایسا کروں گی۔ خلیفہ نے فرمایا: تم مشک کو اپنے ہاتھوں میں لوگی تو کچھ نہ کچھ تمہارے ہاتھوں میں لگ جائے گا، اور پھر اسے اپنے منہ پر مل کر اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اس معاملے میں دوسرے پر ذرا بھی برتری حاصل ہو۔

مولانا رضوان احمد ندوی (پٹنہ)

مسلم معاشرہ میں عورتوں کے حقوق

دور جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک منحوس مخلوق سمجھی جاتی تھی، معاشرتی زندگی میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، جب چاہا چوپایوں اور گھر کے دوسرے سامانوں کی طرح انہیں فروخت کردیا، کبھی قرض کے عوض گروی رکھ دیا، محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف کے یہاں قرض مانگنے گیا تو اس نے کہا کہ تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن میں رکھ دو پھر قرض دوں گا، شقاوت و بربریت کا یہ عالم تھا کہ زچگی کے وقت آگے پہلے سے ہی ایک گڑھا کھود کر رکھا جاتا جب لڑکے کی پیدائش ہوتی تو خوشیاں منائی جاتیں، اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا، مرد لڑکیوں کے باپ بننے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوا کرتے۔ اس وقت اس کی جو حالت ہوتی قرآن کریم نے اس کی اس طرح منظر کشی کی ہے: ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدّاً وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (سورۃ النحل:۵۸) (جب بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ بے رونق ہوجاتا اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا)۔

ایسا بدبخت شخص ذلت سے بچنے کے لیے اس کو زندہ درگور کردیتا: ﴿وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ﴾ (سورۃ التکویر:۸) جس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کردی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی ان کا یہ تصور تھا کہ ان لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کہاں سے ہوگی، ان کے کھانے پینے کا نظم کیسے ہوگا کسی کو داماد بنانا میرے لیے عار و شرم کی بات ہے۔

جب اسلام کی شعاع پھیلی تو اس نے معاشرہ میں عورتوں کو عزت و احترام کا مقام دیا اور رتبہ کے لحاظ سے مردوں کے ہم پلہ بنایا، قرآن کریم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (سورۃ الاحزاب:۳۵) اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم میں عورتوں کے نام سے مستقل ایک سورہ، سورۃ النساء رکھا، عورتیں چاہے ان کی حیثیت ماں کی ہو، یا بہن کی، بیٹی کی ہو یا بیوی کی، ہر ایک کے الگ حقوق و آداب و احکام بیان کیے، اور واضح طور پر فقر و فاقہ کے خوف سے ان کے قتل کو ناجائز ٹھہرایا کہ تم اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل کرو: ﴿وَلَا تَقْتُلُواْ أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيراً﴾ (سورۃ الاسراء:۳۱) (مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، ان کا قتل کرانا بڑا بھاری گناہ ہے)، رزق دینے کی ذمہ داری اللہ پر ہے: ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:۶) (جتنے زمیں پر چلتے پھرتے ہیں سب کی روزی اللہ کے ذمہ ہے)۔ اسلام نے عورتوں کی پرورش کو عبادت قرار دیا اور ترغیب دی کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کرے یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا، جس طرح آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا (مسلم)

غور کیجیے کہ اگر یہ بچیاں بڑھ کر عورتیں نہ بنیں، اور شادیاں نہ ہوں، تو بتایئے کہ یہ تنومند لڑکے کہاں سے آئیں، اولیاء کرام کا وجود کیسے ہوتا، مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں پھر وہی قدیم جاہلی نظام پرورش پانے لگا ہے، زمانہ اسلام سے قبل لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں اور آج مادر رحم میں مار دی جاتی ہیں۔ اگر الٹرا ساؤنڈ اور ایکسرے کے ذریعہ پتہ چل گیا کہ شکم میں بچی پرورش پا رہی ہے تو حمل کو ضائع کرنے والی گولیاں کو استعمال کر کے اس کو ختم کردیا جاتا ہے۔ یہ عمل بھی قتل

اولاد کے زمرے میں آتا ہے ایسا کرنا بھی ناجائز ہے۔لڑکیاں اللہ کی ایک بڑی نعمت ہیں اوراس کی پرورش و پرداخت کرنا ایک بڑی عبادت ہے جیسا کہ مذکور بالا تفصیل سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جب لڑکیاں پیدا ہوں تو ان کی تعلیم وتربیت کا بہتر نظم کریں اور بلوغت کو پہنچ جائیں تو شادی کردیں، یہ انبیاء کی سنت اور اولیاء کا طریقہ ہے:﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً﴾ (الرعد:۳۸) (ہم نے آپ سے قبل بہت سے پیغمبروں کو بھیجا اور انہیں بیوی اور بچے دیئے)۔ دوسری جگہ ہے:﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ﴾ (نور:۳۲) (تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کرادیا کرو) اور دوسری طرف لڑکوں کے لیے حکم ہے کہ اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو شادی کر لیں:"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء فلیتزوج" (اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو نکاح کر لینا چاہیے)۔ کیونکہ نکاح صرف ایک رشتہ تقدس ہی نہیں بلکہ ایک عبادت بھی ہے، لہٰذا جب لڑکا اور لڑکی کا مناسب رشتہ مل جائے تو نکاح کردیا جائے البتہ ان میں دینداری اور حسن اخلاق کو ترجیح دی جائے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے، مال، دولت، حسب ونسب، حسن و جمال اور دینداری، سو تم دیندار عورت تلاش کرو۔ ایسی شادی جو شرافت وعظمت اور دینداری کی بنیاد پر ہوتی ہے اور جو تکلفات، اسراف اور فضول خرچی سے انجام پاتی ہے وہ بے برکتی کا باعث ہوتی ہے:"إن اعظم النکاح برکة ایسره مؤنه" (سب سے بابرکت نکاح وہ جس میں خرچ کم ہو)۔ مگر افسوس ہے کہ آج شادی و بیاہ تجارت بن گئی ہے، منڈیوں میں لڑکیوں کے دام لگائے جاتے ہیں، بڑے لوگ اور سرمایہ دار، ڈاکٹر، پروفیسر، ماسٹر اور انجنیئر داماد کی تلاش میں روپیوں کی تھیلیاں لے کر گھومتے ہیں، عالی شان بلڈنگوں کی پیش کش کرتے ہیں۔آج غریب اور بیوہ و بے سہارا عورت جو لوگوں کے گھروں میں جھاڑو دے کر اور برتن صاف کر کے اپنے لیے اور اپنی لڑکیوں کے لیے روٹی کماتی ہے، جب وہ اپنی یتیم بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتی ہے تو اس سے بھی ٹی وی اور موٹر سائیکل مانگے جاتے ہیں اور جب وہ اپنے ہونے والے داماد کی منہ بھرائی نہیں کر پاتی تو آہ و بکار اور کراہتی و سسکتی زندگی کے ساتھ بسا اوقات خودکشی کر لیتی ہے، کہیں باپ کنویں میں چھلانگ لگادیا ہے، بتایئے کہ تلک وجہیز کی اس لعنت نے کتنے ہی انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد کردیا ہے جب کہ یہ سب قطعی طور پر کافرانہ طریقہ ہے۔

حسب خواہش چاہتے ہو تم سامان جہیز
اپنے لڑکے کے لیے دو گز کفن بھی مانگ لو

حضور ﷺ نے حج الوداع کے موقع پر ایک طویل خطبہ دیا اس میں عورتوں کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "استوصوا بالنساء خیرا" (عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو)"ان لکم علی نسائکم حقاً ولهن علیکم حقاً" عورتوں کا تم پر حق ہے اس صنف نازک کے ساتھ ہمدردی وغم کساری کا معاملہ رکھنا اور دوسری طرف بیوی کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کی تعظیم وتکریم کریں، ان کی ہر طرح دل جوئی کرتی رہیں اور اس طرح صاف ستھری اور پاکیزہ رہیں کہ جب اس کا شوہر دفتر و بازار سے لوٹے تو اسے دیکھ کر قلبی سکون محسوس کرے، اللہ کے رسول ﷺ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ بہترین بیوی کون ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قال التي تسرهٗ اذا نظر" فرمایا کہ وہ بیوی کہ جب شوہر اس کو دیکھے تو خوش کردے اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔

قرآن کریم میں ہے﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّهُ﴾ (النساء:۳٤) (نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں)۔ حدیث میں ہے کہ اگر کسی کو کسی آدمی کے سجدہ کا حکم دیتا تو پہلے عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، گویا اگر بیوی نے شوہر کو دنیا میں راضی کردیا تو اس کے لیے

آخرت میں بھلائی لکھ دی جاتی ہے، "ایما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة" (جب کسی عورت کی موت اس حال میں ہوئی کہ اس کا شوہر اس راضی رہا تو وہ جنت میں جائے گی)۔

البتہ اگر کسی وجہ سے زوجین کے درمیان ذہنی وفکری ناہمواری کے سبب ناچاقی پیدا ہوجائے تو آپسی میل جول سے اسے دور کرنا چاہیئے، اس کو انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے، ہاں اگر آپسی طور پر سمجھوتہ نہ ہوسکے تو مرد کی طرف سے ایک شخص اور عورت کی طرف سے ایک شخص کو حکم بنایا جائے قرآن کریم میں ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحاً﴾ (النساء:۳۵) (اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان پھر بھی بگاڑ کا اندیشہ ہو تو ایک حکم آدمی کی طرف کے لوگوں میں سے اور ایک پنچ عورت کی طرف سے مقرر کرو ان کا ارادہ اصلاح کا ہو)، اگر اس طرح صلح وصفائی سے بھی معاملہ حل نہ ہوسکے تو قرآن نے اس کے تین مرحلے بیان کیے ہیں: ﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ﴾ (سورة النساء:۳٤) (اگر عورت ہٹ دھرمی اور سرکشی پر اتر آئے تو اصلاح حال کے لیے عورت کو زبانی سمجھایئے اگر زبانی فہمائش بے اثر ہوکر رہ جائے تو اپنی خواب گاہ بھی چھوڑ دے پھر ان کو ہلکی مار ماریئے) مگر اس طرح نہ ماریئے جس میں زخم کے نشانات ابھر آئیں۔

طلاق رشتہ ازدواج کے انقطاع کی بالکل آخری شکل ہے اور وہ بھی ناپسندیدہ ہے، "ابغض الحلال الى الله الطلاق" (حلال چیزوں میں سب سے مبغوض اللہ کو طلاق ہے)، دوسری روایت میں ہے کہ "ما احل الله اشياء ابغض اليه من الطلاق" (طلاق سے بڑھ کر کوئی ناپسندیدہ بات نہیں ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے)، گویا شریعت نے انتہائی مجبوری اور زوجین کے درمیان نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق کو مباح قرار دیا ہے لیکن اگر کوئی صورت پرستی کی بنیاد پر طلاق دیتا ہے تاکہ وہ دوسری اور تیسری عورتوں سے لطف اندوز ہو تو یہ وحی الٰہی اور مزاج نبوت کے خلاف بھی ہے اور گناہ بھی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لا تطلقوا النساء الا من ريبة ان الله لا يحب الذواقين والذوقات" (طبرانی) (عورتوں کو طلاق نہیں دینا چاہیئے الا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو، اللہ تعالی ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین وخوگر ہوں)۔

حضور ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں، تو آپ ﷺ غصہ میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ کیا میرے رہتے ہوئے اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے۔

لہٰذا اگر طلاق دینے کی نوبت ہی آگئی تو سنت طریقہ پر ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے تاکہ رجعت کا موقع باقی رہے اور اگر تین طلاق دیدی تو بھی واقع ہوجائے گی، مگر وہ گنہگار ہوگا، اس لیے حضرت عمر بیک وقت تین طلاق دینے والے شخص پر کوڑے برساتے تھے پتہ چلا کہ مرد کو غصہ کے وقت جذبات کو قابو میں رکھنا چاہیے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ ہونا چاہیے اب اگر طلاق دے ہی دی اور شریعت کی دی ہوئی آسانیوں کو نظر انداز کیا تو اپنی مطلقہ بیوی کو کچھ تحفہ وتحائف دے کر رخصت کرو، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾ (البقرة:۲۳٦) یعنی مطلقہ بیوی کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق کچھ جوڑے کپڑا دے کر رخصت کرو، مگر وہ عدت اپنے سابقہ شوہر کے گھر پر ہی گذارے گی، ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ (الطلاق:۱) طلاق کی عدت گذارنے میں ان کے گھر سے انہیں ہرگز مت نکالو اور عورتیں خود بھی گھر سے نہ نکلیں، اس کے بعد مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو ایام عدت کا پورا خرچ ادا کرے ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة:۲٤۱) جس طلاق میں عدت ہے اس میں عدت گذارنے تک نفقہ دینا واجب ہے، اگر مہر ادا نہیں کیا ہے اور خلوت ہوچکی ہے تو پورا مہر

ادا کرے اور اگر خلوت سے پہلے ہی طلاق کا واقعہ پیش آ گیا تو نصف مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرے اور جو سامان جہیز عقد نکاح کے وقت ملا وہ باعزت طور پر پیش کرے۔

مطلقہ بیوی عدت پوری کرنے کے بعد اپنے والدین کے گھر لوٹ جائے گی اس لیے کہ اسلامی تعلیمات اور قوانین کے اعتبار سے لڑکی شادی ہونے کے بعد اپنے ماں باپ اور دوسرے اعزاء سے کٹ نہیں جاتی، نکاح اور رخصتی کے بعد اس رابطہ ورشتہ پہلے کی طرح قائم رہتا ہے اور وہ بھی دوسرے لڑکوں کی طرح اپنے والدین کی زمین وجائداد اور مال کی حصہ دار ہوں گی، زمانہ جاہلیت میں عورتیں میراث سے محروم تھیں، عربوں کا تصور تھا کہ میراث میں حصہ دار وہی ہوسکتا ہے جو گھوڑے کی سواری کرسکے اور چونکہ عورتیں اس صلاحیت سے محروم تھیں اس لیے وہ میراث سے محروم ہوتیں، اسلام نے بڑی فراخ دلی اور انصاف پسندی کے ساتھ میراث میں عورتوں کا حصہ مقرر کیا، قرآن میں ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱) (اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے) اور آگے فرمایا: ﴿فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ (النساء: ۱۱) (اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی ہوگا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف حصہ ہوگا)، اسی طرح ماں، حقیقی بہنیں، بیوی وغیرہ کے حصہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ (النساء: ۱۱) (یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے)، اس میں کسی کو کمی وبیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں، یہ تو اللہ کا بڑا احسان وکرم ہے کہ اس نے میراث کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی، صاحب مال کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کردیا اور نہ صاحب مال بڑی مصیبت میں گرفتار رہتے اور ان کے مرنے کے بعد ترکے میں وارثین نہ جانے کس طرح کتر بیوت کرتے، یہ ہیں عورتوں کے حقوق واحکام جس کی یہاں وضاحت کی گئی، دنیا کے کسی قانون ومذہب نے عورتوں کو وہ حیثیت نہیں دی جو حیثیت اور مقام اسلام نے دیا ہے۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی نصیحتیں

''طبقات'' میں لکھا ہے کہ جب خاتون جنت بی بی فاطمہ الزہراءؓ کا نکاح ہوا اور ان کی رخصتی ہوئی تو سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے ان کو چند نصیحتیں فرمائیں:

☆ اے بیٹی! علیؓ کے یہاں داخل ہوتے ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔

☆ ہمیشہ پاک اور صاف ستھرے کپڑے پہننا،

☆ آنکھوں میں سرمہ لگانا۔

☆ ہر بات میں صفائی اور سلیقہ مندی کا لحاظ رہے۔

☆ علیؓ کی فرماں برداری اور تابعداری کرنا۔

☆ ہمیشہ خوشبو کا استعمال کرنا۔

☆ گھر کو صاف ستھرا رکھنا۔

☆ ایک دوسرے کے ہمدرد بن کر رہنا۔

☆ علیؓ کے تمام حقوق کا خیال رکھنا۔

☆ تمہارے ذمہ گھر کے کام کاج کی ذمہ داری ہے اور علیؓ کے ذمہ گھر کے باہر کی ذمہ داری۔

☆ نبی پاک ﷺ نے ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

اے مسلمانو! میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ جب میں نے اپنی بیٹی رقیہؓ اور اس کے بعد ام کلثومؓ کی شادی عثمان ابن عفانؓ سے کی تو میں نے اپنی ان بیٹیوں کو نصیحتا کہا تھا:

بیٹیو! تمہارے اوپر گھر کا انتظام اور اس کی نگرانی، گھر کی صفائی اور نظافت اور اسی طرح گھریلو تمام کام کاج، خاوند کو خوش رکھنا، اس کا کہنا ماننا، اس کو راحت اور آرام پہنچانا، اسی طرح اولاد کی تربیت فرض ہے۔ ان کاموں کو فرض سمجھ کر ہی کرنا اور عثمانؓ کا فرض یہ ہے کہ محنت اور کوشش سے روزی کما کر لائیں اور اولاد کے لیے تعلیم کا انتظام کریں اور اپنے بال بچوں کا نان ونفقہ ادا کریں۔

جناب شیرازالدین (لکھنؤ)

جہیز کی تباہ کاری

اسلام صرف کچھ عبادتوں کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک مکمل نظام حیات ہے، جو زندگی کے تمام گوشوں کی رہنمائی کرتا ہے، جس میں افراط ہے نہ تفریط، اسلام اپنے معاشرے میں کسی دکھیارے کو نہیں دیکھنا چاہتا جس کی درد بھری آہوں سے پورا سماج لرز اٹھے، اسلام سراپا انصاف اور درمیانی چال سے عبارت ہے، انہیں احکام و مسائل میں سے ایک اہم عنوان نکاح اور جہیز کا ہے۔

جہیز کی لعنت معاشرہ کا وہ کینسر ہے جو آہستہ آہستہ پورے ہندوستانی سماج کی جڑوں کو متاثر کرتا چلا جارہا ہے۔ میرے دوستو! امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر کاربند رہنا مسلمانوں کے ایک ایک فرد پر لازم ہے بھلائی کی طرف حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کی اسلام میں بہت بڑی اہمیت ہے معاشرہ اور سماج میں برائیاں دیکھ کر اور ظلم وستم تباہ کاری، اور اسلام کے خلاف طرز عمل کو برداشت کرلینا پورے سماج پر اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دینا ہے۔

جہیز کی تباہ کاریاں اتنی زیادہ ہیں کہ ان پر لکھنے کے لیے دفتروں کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اب تو حالات ایسے خوفناک رخ اختیار کرچکے ہیں کہ جہیز کے مطالبوں سے تنگ آکر غریب ماں باپ کی قابل سے قابل بیٹیاں اپنے مستقبل سے مایوس ہوکر زہر کھاکر خودکشی کرنے یا اپنے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال کر مرجانے یا اپنے آپ کو آگ میں جلا ڈالنے پر آمادہ ہورہی ہیں۔ بعض شہروں میں تین چار بہنوں کی اجتماعی خودکشی کرنے کی رونگٹے کھڑے کردینے والی خبروں نے ملک کے بعض امیر اور اہل دل افراد کو چونکا کر رکھ دیا۔

راجیہ سبھا میں دی گئی رپورٹ کے مطابق

۱۹۷۷ء، ۱۹۷۸ء، ۱۹۷۹ء میں بیویوں کو زندہ جلانے کے ۲۸۷۹ واقعات پیش آئے، ان کے علاوہ ۶۱ دلہنوں نے خودکشی کرلی، ۱۹۸۵ء میں ۸۳۷، ۱۹۸۶ء میں ۱۳۱۹، ۱۹۸۷ء میں ۱۹۱۲، ۱۹۸۸ء میں ۲۲۰۹، ۱۹۸۹ء میں ۴۰۰۰، ۱۹۹۰ء میں ۵۱۸۷، ۱۹۹۳ء میں ۱۹۵۲، ۱۹۹۴ء میں ۴۸۵۰، عورتوں کو جہیز کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

یکم اگست بی بی سی لندن کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۰ میں ۱۱۰۰۰ سے زیادہ اموات ہوئیں۔

۱۹۹۴ء میں ۱۸ جہیزی اموات روزانہ ہوئیں۔

جرائم رکارڈ بیورو کے مطابق ۱۹۹۷ء میں تمام ملک میں ۶۰۰۶ جہیزی اموات واقع ہوئی ہیں۔ سب سے زیادہ جہیزی اموات یوپی میں ہوئیں جہاں ۷۸۶ عورتوں کو جہیز کے لیے مار دیا گیا یا انہوں نے جہیز کے جھگڑوں سے تنگ آکر خودکشی کرلی، یوپی کے بعد بہار میں ۷۶۱، مدھیہ پردیش میں ۵۵۰، آندھراپردیش میں ۵۲۰، مہاراشٹر میں ۴۲۰ اور راجستھان میں ۳۵۶ جہیزی اموات رکارڈ کی گئیں۔ تمل ناڈو میں ۱۸۳ جہیزی اموات کا اندراج کیا گیا۔ کرناٹک میں ۹۵، کیرالہ میں ۲۵، پانڈیچیری میں اس قسم کی موت کی تعداد صرف ۲ تھی۔

حالیہ رپورٹ کے مطابق: سالانہ ۷۰۰۰ اموات درج پائی جاتی ہیں، جب کہ این سی آر بی کا کہنا ہے کہ یہ رپورٹ آدھی ہے یعنی تقریباً ۱۴۰۰۰ سالانہ جہیز کی وجہ سے اموات ہورہی ہیں۔ جس رفتار سے ہمارا ملک ترقی کی راہ میں گامزن ہے اسی طرح جہیز کی اموات میں سالانہ ۳۸ فی صد کا اضافہ ہورہا ہے۔ بنگلور کے سٹی ہاسپٹل میں روزآنہ ۵ سے ۷ ایسی عورتوں کو بھرتی کردیا جاتا ہے جو جہیز کی وجہ سے جلادی جاتی ہیں۔

جب ہم پورے ملک پر عمومی نظر ڈالتے ہیں تو ایک خطرناک اور دل خراش رپورٹ ہمارے سامنے آتی ہے۔ امریکہ کی طرح بھارت میں بھی منٹ اور گھنٹہ کے تناسب سے

جرائم ہو رہے ہیں۔ مثلاً ہر ۱۵ منٹ پر ایک زنا بالجبر اور ہر ۱۰ منٹ پر جنسی چھیڑ چھاڑ اور ہر ۴۵ منٹ پر ایک عورت جہیز کی خاطر ماردی جاتی ہے۔ اور جب والدین کی رنجور نگاہیں اپنی لختِ جگر اور تسکینِ روح کی مردہ لاشوں پر پڑتی ہیں تو جگر شق ہو جاتا ہے اور بے اختیار زبان حال سے نکل پڑتا ہے۔

اب یاد آیا اے یارانِ جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تجھے ہم بھولے تھے سامانِ شادی میں

جہیز کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی وقت پر نہیں ہو پاتی ہیں لہٰذا لڑکیاں خود ہی فحاشی اور عریانیت میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور غلط طریقہ سے اپنی خواہشات کی تکمیل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی شریف گھرانے کی لڑکیاں بھی کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں اور اپنے گھرانے کی عزت وقار کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں جسم فروشی کا پیشہ اختیار کر لیتی ہیں اور اس طرح سے جسم فروش عورتوں کی تعداد ملک میں ۲۵ لاکھ اور ان کے بچوں کی تعداد ۵۳ لاکھ ہے۔ بہت ساری لڑکیاں اپنی شادی کے لیے نوکریاں کرتی ہیں جس کے نتیجہ میں انہیں ٹیمپو اور بسوں میں دھکہ کھانے اور آفیسر کی جھڑکیاں سننی پڑتی ہیں وہ گھر کی زینت بننے کے بجائے آفس کی زینت بنتی ہیں اور گھر کے باہر قدم رکھنے کی وجہ سے چھیڑ خانی، اغوا، زنا بالجبر اور جنسی بے حرمتی کا شکار ہو رہی ہیں۔ اگر جہیز کے خاتمہ اور شادی کی جملہ کاروائی کو آسان سے آسان تر بنانے کی حتی الامکان کوشش نہیں کی گئی تو جسم فروشی کے پیشہ میں داخل ہونے والی لڑکیوں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گا۔ حالانکہ ہر سال ۲۶ ہزار لڑکیوں کا جسم فروشی میں داخل ہونا پاکیزہ معاشرہ میں سانس لینے والوں کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے، اور ہندوستانی سماج کے چہرے پر ایک بدنما دھبہ ہے۔

اس جہیز کی وجہ سے ایک خطرناک رجحان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ کہ مشین کے ذریعہ لڑکی کی واقفیت حاصل کر کے رحم مادر میں ہی اس کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس خطرناک ذہنیت کے نتیجہ میں مشین کی غلط معلومات کی بنا پر بہت سے لڑکے بھی ضائع کر دئے جاتے ہیں۔

جنوری ۱۹۹۶ء سے دوران حمل جنس کی شناخت کے لیے الٹرا سونوگرافی جیسی جدید ٹیکنک کے استعمال پر پابندی عائد ہے اس کے خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سزا کا بھی اہتمام کیا گیا ہے لیکن قانون بنانے والے خود اس کام کے مرتکب ہوں تو بھلا عام لوگوں پر کیا اثر پڑے گا حقیقت یہ ہے کہ قانون سازی کے ساتھ ساتھ قانون کا سختی سے نافذ کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں ہر سال ایک کروڑ بارہ لاکھ اسقاط حمل کے واقعات ہوتے ہیں جن میں ہر سال بیس ہزار عورتیں موت کا شکار ہو جاتی ہیں، اس رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ ایک ہزار پیدا ہونے والے بچوں پر ۴۶۲/ اسقاط ہوتے ہیں یعنی ہندوستان میں ہر ۲ پیدا ہونے والے بچوں پر ایک اسقاط کا واقعہ ہوتا ہے۔ U.N.O. کی تازہ رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں روزآنہ بیس ہزار اسقاط حمل ہوتے ہیں۔

جہیز سماج کے لیے ایک زہریلا انجکشن ہے جو ہمارے معاشرہ کے بے شمار لوگوں کو موت کی نیند سلا چکا ہے۔ آج ہندوستانی مسلمان ایک دوراہے پر کھڑے ہیں، ایک میں سراسر زندگی ہے تو دوسرے میں سراسر موت۔ صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ قوموں اور دھرموں کی موت، مگر انسان کو اختیار ہے کہ وہ جس نظام کو چاہے اپنے کو پسند کر لے بقول علامہ اقبال:

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

اے ملت اسلامیہ کے غیرت مند نوجوانو! اور قوم وملت کے درد مند و یہ غفلت ولاپرواہی کب تک صنف نازک کے ساتھ ظلم وستم کی انتہا ہو چکی ہے اب تک طلاق اور جہیز کی وجہ سے کتنی عورتیں جل کر راکھ ہو گئیں اور نہ معلوم کتنی جلنے والی ہیں آج ہم جس انسانی نسل میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ نفسانی خواہش حرص ولالچ اور پیسہ پرستی کے نتیجہ میں جنگل کے خونخوار درندوں کی عادتوں اور خصلتوں کو اختیار کر کے ایک بے عقل اور نہایت بے رحم نسل بنتی جا رہی ہے اور انصاف شرافت انسانی کا جنازہ گھر گھر سے نکلتا جا رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر/۳۱ پر)

حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دینے والا انجیل کا نسخہ برآمد

۱۵۰۰ قبل مسیح کے نایاب نسخے کو عیسائی پادریوں نے چھپا دیا تھا

پاپائے روم بینیڈکٹ شائزدہم نے انجام کار انجیل مقدس کا وہ نایاب نسخہ معائنے کے لیے منگوا ہی لیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ان ہی کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ نادر و نایاب نسخہ **1500** قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے۔ برطانوی اخبار ڈیلی میل کے مطابق قدیم عوامی زبان میں انجیل کا یہ نسخہ آج سے بارہ سال قبل دریافت کیا گیا تھا جو ابھی عیسائیوں کے مذہبی مرکز ویٹیکن (Vatican) میں موضوع بحث رہا تاہم اسے منظر عام پر نہیں لایا گیا تھا۔ ارامی زبان میں تحریر کردہ اس انجیلی نسخے میں لکھا ہے کہ ایک واقعہ ایک کاہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے بعد آنے والے نبی کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا تھا کہ ان کا نام محمد ﷺ ہوگا اور وہ برکت والا ہوگا۔

العربیہ ڈاٹ نیٹ کے مطابق ترک وزیرِ ثقافت وسیاحت کے مطابق اس نادر و نایاب مقدس نسخے کی قیمت **22** ملین ڈالر بتائی گئی ہے اور یہ نادر نسخہ جلد پر سنہری حروف میں لکھا گیا ہے جس کی قیمت **24** ملین ڈالر بتائی جاتی ہے۔ ترک وزیر ثقافت وسیاحت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ اس نادر و نایاب مقدس نسخے کو کلیساؤں اور پادریوں نے مبینہ طور پر اس لیے پوشیدہ رکھا تھا کہ اس میں بیان کردہ پیش گوئیاں قرآن کریم مین بیان کردہ حقائق سے کافی حد تک مماثلت رکھتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق قدیم ترین انجیلی نسخے کی عبارات اور اس کی پیش گوئیاں اسلام کے عقیدہ ونبوت کے عین مطابق ہیں، اس کے نسخے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، ترک وزیر کے مطابق انجیل کے اس نایاب نسخے کو **2000** میں بحر متوسط کے قریب ایک علاقہ میں چھپا دیا گیا تھا، اب بھی یہ نسخہ ترک حکومت ہی کے قبضہ میں ہے، بارہ سال قبل یہ نسخہ دریافت ہونے کے بعد گم ہو گیا تھا، کہا گیا تھا کہ اسے آثار قدیمہ کے اسمگلروں نے چوری کر لیا ہے، ترکی میں ایک عیسائی مذہبی رہنما احسان ازہک نے ترک اخبار زمان کو بتایا کہ انجیل مقدس کا یہ نایاب نسخہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان بارہ ساتھیوں کے جنہیں قدیس برناباس کے نام سے جانا جاتا ہے، پیروکاروں کے دور میں پانچویں یا چھٹی صدی کا ہے کیونکہ قدیس برناباس پہلی صدی عیسوی میں موجود تھے۔ انقرہ میں علم لاہوت کے ماہر پروفیسر عمر فاروق ہرمان نے بتایا کہ مخطوطے کی علمی جانچ پرکھ سے اس کی صحیح عمر کے تعین مین مدد ملے گی اور معلوم ہو سکے گا کہ آیا اس کے راقم قدیس برناباس تھے یا ان کے کسی پیروکار نے اسے رقم کیا تھا۔

بقیہ: جہیز کی تباہ کاری

ہر درد مند دل کا رونا مجھے رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

اے آقائے مدنی اور شاہِ زمن پر جان نچھاور کرنے والو اس دور کے عظیم فتنہ ''جہیز'' سے ہندوستانی معاشرہ کو بچانا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں لڑکیوں کو زندہ درگور کئے جانے کے خلاف سب سے پہلے اسلام نے انقلاب برپا کیا اور اس کو عظمت وسربلندی سے ہمکنار کیا اسلام والوں کا منصب سماجی لوٹ مار اور برے کاموں کو فروغ دینا نہیں ہے بلکہ سماجی ظلم وستم کے خلاف جہاد اور برائیوں کا مقابلہ اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے اگر وہ اپنے اس فرضِ منصبی سے غافل ہو گئے تو پوری زمین فساد سے بھر جائے گی اور ایک زبردست تباہی آئے گی جس کی لپیٹ میں ہر ادنیٰ اور اعلیٰ آجائے گا اور کوئی بھی بچ نہ سکے گا۔

ارشاد خداوندی ہے: ''تو تم سے پہلے جو امتیں ہوئیں ان میں ایسے لوگ کیوں نہیں ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے سوائے چند آدمیوں کے جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا اور جو گناہوں کے مرتکب ہوئے وہ اسی کے پیچھے پڑ کر جرائم کے عادی ہو گئے اور تیرا رب ایسا نہیں ہے جو بلا وجہ آبادیوں کو تہس نہس کر دے، جبکہ وہاں کے لوگ اصلاح پسند ہوں۔'' (سورہ ہود-۱۱۶)

محترمہ جمیلہ (کراچی)

خوشگوار ازدواجی زندگی کے رہنما اصول

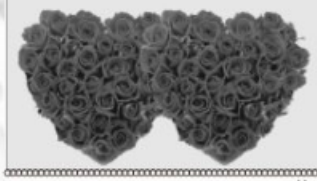

دین اسلام نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے، اس سے بہترین مثال ہمیں نہیں مل سکتی، کیونکہ اس خصوصیت پر غور کیا جائے تو لباس نہ صرف آپ کو موسم کی گرمی (دکھ غم) سے بچاتا ہے بلکہ آپ کی زینت اور حسن وجمال میں اضافے کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت اور مالی حیثیت کو بھی نمایاں کررہا ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ آپ کی ستر پوشی کررہا ہے۔

ستر پوشی سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ایک دوسرے کی خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں کی پردہ پوشی کرنا ہے، کیا ایک دوسرے کی خامیاں سب کے سامنے بیان کرنے سے مسائل حل ہوجائیں گے؟ زندگی پرسکون ہوجائے گی؟ میاں بیوی دونوں ہی اس نکتے پر غور کریں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہے، اگر دونوں کو ایک دوسرے سے شکایت ہے یا کسی کی شخصیت میں کوئی کمی یا خامی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً کوئی دوسری خوبی ضرور عنایت کی ہوگی، جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہوگی، اس طرح سے سب کے سامنے ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے پہلے دونوں ہی کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میاں بیوی دراصل ایک ہی اکائی ہیں، ایک کی اچھائی، دوسرے کی بھی اچھائی، اور ایک کی توہین دوسرے کی بھی توہین ہے۔

اگر آپ اپنے شریک سفر کی خامیاں دوسروں کے سامنے بتائیں گے تو سننے والا نہ تو آپ کے مسائل حل کرے گا اور نہ ہی کوئی فائدہ پہونچا سکتا ہے، لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ آپ کا شریک سفر دوسروں کی نظروں سے گر جائے گا، یہ بات نہ صرف آپ کو اور آپ کے خاندان کو نقصان پہنچائے گی بلکہ اس کا خمیازہ آپ کو آئندہ نسلوں تک بھگتنا پڑے گا، دونوں کو کھلے دل سے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ان کا شریک سفر ان کے ساتھ نہ ہوتا تو زندگی کتنی پھیکی، بے رنگ اور تنہا گذر رہی ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے نا صرف شریک سفر، دکھ سکھ کا ساتھی عنایت کیا، بلکہ اس کے ساتھ ہی کتنے ہی رشتے مثلاً بہو، داماد، بھائی، چچی، پھوپھا، ممانی، خالو وغیرہ سے بھی نوازا، جنہوں نے نہ صرف آپ کی زندگی میں مزید رنگ بھرے بلکہ آپ کی ہستی کو زیادہ معتبر بنادیا، اور یہ سب کچھ آپ کو اپنے شریک سفر کی بدولت ہی تو حاصل ہوا ہے۔

بیوی کے فرائض میں شوہر کے ہر جائز کام میں اس کی اطاعت کرنا، اپنی آبرو، گھر بار، مال کی حفاظت کرنا، شوہر کی پسند ناپسند کا خیال رکھ کر اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرنا، اپنی اور گھر کی صفائی، آرائش وزیبائش کا خیال رکھنا اور سب سے اہم ترین شوہر کے حسن سلوک پر شکرگزاری اور احسان مندی کا رویہ اختیار کرنا ہے، کیونکہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اپنے احسان کرنے والوں کی ناشکری سے بچو، تم اپنے ماں باپ کے یہاں دنوں تک بن بیاہی بیٹھی رہتی ہو، پھر اللہ تعالیٰ تم کو شوہر عطا فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد سے نوازتا ہے، (ان تمام احسانات کے باوجود) اگر بیوی کبھی کسی بات پر شوہر سے خفا ہوتی ہے تو کہہ اٹھتی ہے، میں نے تو تم میں کبھی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔''

امام زین العابدینؒ کی جب ایک خاتون سے شادی ہونے لگی تو آپؒ نے عورت کو مخاطب ہوکر کہا ''بی بی رشتہ جوڑنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لو، میں ذرا ذرا سی بات پر پکڑ کرتا ہوں، مجھے غصہ آجاتا ہے اور پھر آسانی سے نہیں اترتا تم سوچ لو، اگر ان تمام کے ہوتے ہوئے بھی میرے ساتھ نباہ سکو تو رشتہ قبول کرو، ورنہ تمہیں آزادی ہے، جہاں مناسب سمجھو اپنے لیے رفیق حیات منتخب کرو''۔

خاتون کچھ دیر خاموش رہی پھر سنجیدگی سے بولیں۔ ''مجھے جی جان سے رشتہ منظور ہے، میں سمجھتی ہوں آپ سے زیادہ سخت مزاج اور بدمعاملہ تو وہ ہے جو آپ کو سختی کرنے اور غصہ دلانے کا موقع دے۔'' عورت کا یہ جواب سن کر آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا، مسکراتے ہوئے فرمایا: ''ایسی عقلمند خاتون میری شریک حیات ہو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوگی''۔

دس سال تک دونوں نے خوش گوار زندگی گزاری، دس سال بعد اتفاق سے کسی معمولی بات پر ان بن ہوگئی، جسے بیوی نے محسوس کیا، آپ کا غصہ جب ٹھنڈا ہوا تو بیوی سے بولے، تم کو اختیار ہے چاہے میرے ساتھ رہو اور چاہے آزاد ہو جاؤ، میں واقعی سخت مزاج ہوں، بیوی نے کہا ''خدا گواہ ہے، میں دس سال آپ کے ساتھ رہی، آپ نے میرے ساتھ نہایت شفقت وایثار کا برتاؤ کیا، میرے جذبات کا خیال رکھا، کبھی مجھے ملامت نہیں کیا، اب ایک ذرا سی بات پر میں ان سب بھلائیوں کو بھول جاؤں اور آپ کی ساری نیکیوں پر پانی پھیر دوں تو مجھ سے زیادہ ناشکرا کون ہوگا؟ خلوص ومحبت کے یہ کلمات سن کر آپ بولے، پروردگار کی قسم! تم میرے لیے خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہو''۔

اگر بیویاں شوہروں کے اچھے سلوک پر شکر گزاری اور احسان مندی کا رویہ اختیار رکھتی ہیں، تو دوسری طرف شوہر کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ رکھے، اس کی غلطیوں، کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرے، سب سے سامنے ذلیل نہ کرے، اس کے ساتھ خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آئے، خرچ میں کشادگی رکھے، نیک کاموں میں مدد کرے اور اس کے تمام حقوق پورا کرے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ شوہر کے لیے نیک اور باوقار، باحیا اور شکر گزار بیوی بہترین متاع ہوتی ہے، اس کے دم قدم سے ہی شوہر کو ازدواجی سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے، اولاد جیسی نعمت عطا ہوتی ہے، خانگی زندگی کی پرکیف بہاریں، رونق ونکھار اس کے وجود سے ہیں، گھریلو زندگی میں وہ آپ کی خادمہ نہیں بلکہ آپ کے گھر کی ملکہ ہے۔

ایک بار رسول پاک ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو گیارہ عورتوں کی ایک دلچسپ کہانی سنائی، ''جس میں زیادہ تر عورتوں نے اپنے شوہروں کی شکایت ہی کی تھی، لیکن گیارھویں عورت'' ام زرعؓ'' نے کہا میں اپنے شوہر کی بھلا کیا تعریف کرسکتی ہوں انہوں نے میرے کانوں کو زیوروں سے ڈھک دیا، میرے دبلے پتلے بازوؤں کو گوشت سے بھر دیا، غرض میرا دل بہلانے اور مجھے خوش کرنے کے لیے انہوں نے اتنا کچھ کیا کہ میری زندگی مسرت اور شادمانی کی تصویر بن گئی، میری خوش نصیبی کا کیا کہنا، میں نے بکریاں پالنے والے ایک غریب گھرانے میں تنگی کی زندگی گزاری تھی، مجھے ابوزرع نے اونٹ گھوڑے اور کھیتی باڑی کرنے والے باحیثیت لوگوں میں لاکر بسایا ہے، میں ان سے جس طرح چاہتی ہوں بے تکلف بات چیت کرتی ہوں، کبھی انہوں نے میری زبان نہیں پکڑی، میں بے کھٹکے روز آنہ دن چڑھے تک آرام کرتی ہوں اور دنیا کی نعمتیں مزے سے کھاتی پیتی ہوں، یہ قصہ سنا کر حضور ﷺ نے عائشہؓ سے فرمایا، میں تمہارے حق میں ابوزرع ہوں''۔

سوچنے کا مقام ہے کہ حضرت عائشہؓ کی نظر میں ان ظاہری نعمتوں کی کوئی قدر قیمت نہیں تھی، انہوں نے خود دنیا کو چھوڑ کر اللہ اور آخرت کو پسند کیا تھا، اور پھر رسول ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں تمہارے حق میں ابوزرع ہوں کا مفہوم کیا ہے؟ مفہوم صرف اتنا ہے کہ ہر مومن عورت کے دل میں اپنے شوہر کے لیے احسان مندی، شکر گزاری کے ویسے ہی جذبات ہونے چاہئیں جن کا اظہار ام زرع نے ابوزرع کے لیے کیا تھا۔ غرض یہ کہ شریک سفر اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمتوں کی شکر گزاری کرتے ہوئے، ایک دوسرے کی خوبیوں پر نظر رکھیں، خامیوں کی پردہ پوشی کریں، درگزر سے کام لیں، تو یہ شکر گزاری اور ایثار وقربانی کا رویہ دونوں ہی کو ازدواجی زندگی کا حقیقی لطف وسکون حاصل کرنے کا باعث ہوگا۔

جناب محمد اشفاق (کراچی)

اولاد کی تربیت کا اسلامی طریقہ

مذہب اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانی زندگی کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا، پیدائش سے موت تک، پھر مرنے کے بعد پیش آنے والے احوال وکوائف، حشر ونشر، جنت و دوزخ، سب کے بارے میں اپنے پیروکار اور متبعین کو تفصیلی معلومات فراہم ہی نہیں کیں بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر مکمل رہنمائی فرمائی اور دستگیری فرمائی، اسی طرح اولاد کی تربیت اور اصلاح کے لیے اسلام نے ایک جامع نظام العمل اور کامل اور مکمل دستور حیات دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اولاد خدا کی دی ہوئی بیش بہا امانت، قیمتی خزانہ اور ایک عظیم نعمت ہے، اللہ کی دی ہوئی امانت یعنی اولاد کی تربیت اگر اس کے منشاء اور مرضی کے مطابق ہو تو وہ دنیا میں سکونِ قلب کا باعث، آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہر طرح سے مدد ومعاون ثابت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی مضبوط سہارا، سفارشی اور مددگار ہوگی، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے اس سے وہ سبکدوش ہو جائیں گے اور اللہ کے حضور وہ کسی طرح کے جوابدہ نہ ہوں گے، اولاد پر ان کی حجت قائم ہو جائے گی، قیامت کے دن ان سے اس سلسلہ میں کوئی سوال نہ ہوگا، اولاد کے حقوق ادا کرنے پر ماں باپ کو آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی جنت جیسا سکون، راحت، چین اور اطمینان نصیب ہوگا اور گھر کا ماحول بھی دینی، اسلامی اور نورانی ہوگا، قیامت کے دن یہی نیک طینت، راست باز اور پاک دامن اولاد ماں باپ کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور درجات کی بلندی کا باعث بنے گی اور اگر اولاد کے حقوق ادا نہ کیے گئے، ان کو اسلامی تہذیب وتمدن اور اخلاقی و روحانی اقدار سے روشناس نہ کرایا گیا، کبائر وصغائر سے بچانے کی سعی نہ ہوئی اور توحید وسنت کی تعلیمات سے آراستہ اور مزین نہیں کیا گیا تو کل قیامت کے دن والدین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہوں گے اور ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کا وبال بھی اپنے سر اٹھانا پڑے گا، اور پھر انہیں اس وقت کف افسوس ملنا پڑے گا اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ کاش میں بانجھ ہوتا اور یہ میری اولاد نہ ہوتی، اور پھر یہ ان کے حق میں بدعا کریں گے ان کو کوسیں گے اور آخرت میں ایسی اولاد ماں باپ کے لیے راحت وعافیت کے بجائے کلفت اور عذاب کا باعث ہوگی۔

بچوں کو سب سے پہلے ایسی تعلیم دی جائے جن سے انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس ارض وسماء، کون ومکان، جن وانس اور خود اس کا خالق ومالک کون ہے؟ کس نے اسے پیدا کیا روزی رساں اور مشکل کشا کون، شفا دینے والا کون ہے؟ اور اس کا پروردگار اور پالنہار کون ہے؟ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کا آغاز اور علم الٰہی کی ابتداء ہی یہیں سے ہوتی ہے یعنی ''آپ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے!''

پھر بچوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ان کے ماں باپ، خویش واقارب اور بڑے بوڑھے، اساتذہ اور دوسرے تمام ذی احترام اور قابل قدر شخصیتوں کی عزت وعظمت کا ایسا خوگر اور عادی بن جائیں کہ تمام عمر یہ گنج گراں مایہ ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے، پھر چھوٹوں پر شفقت اور ان سے پیار ومحبت، الفت ونرمی کے برتاؤ کا درس بھی دیا جائے اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

اس عالم رنگ وبو اور انسانی پھلواری میں اللہ تعالیٰ ایسا پھول اگانا چاہتا ہے جس سے پوری دنیا معطر ہو جائے اور اس کی خوشبو چاروں سو پھیل کر ذرے ذرے کو معطر کر دے، اس لیے اس پھول کے اگنے سے پہلے ایسا انتظام وانصرام کیا گیا کہ اس میں کسی ایسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو جائے اور اسے کوئی ایسی چیز مس نہ کر دے

جس سے اس کی خوشبو اور مہک میں کوئی فرق پڑ جائے، اللہ تعالیٰ نے اولاد کی پیدائش وافزائش کا جو فطری اور شرعی طریقہ رائج فرمایا اور مرد وعورت کے اختلاط سے ایک تیسری ہستی وجود میں آتی ہے جو اس کارگہر عالم کا مہکتا ہوا پھول درخشندہ ستارہ اور قوم وملت کا مستقبل ہے، مرد وعورت کو یہ ہدایت دی گئی کہ تم اس بے جان بے وجود شئے کو معرض وجود میں لانے کا سبب بننا چاہتے تو سب سے پہلے یہ دعا پڑھ لو: ''اے اللہ! ہم تیرے نام سے اس امر کا آغاز کرتے ہیں، ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان مردود سے بچا!''

یہ امتیاز اور خصوصیت تو صرف دین حنیف اور مذہب اسلام کی ہے کہ جس نے اولاد کی صالحیت کی طرف پیدائش سے قبل ہی توجہ دلائی، تاکہ انسانی معاشرہ سلامت رہے اور اس کی صالحیت برقرار رہے۔

اولاد کی تعلیم وتربیت میں والدین کا نمایاں کردار ہوتا ہے، والدین کم عمری میں بچوں کی جیسی تربیت کرنا چاہے کر سکتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ خود بھی اس کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اسلامی اقدار اور تعلیمات نبوی ﷺ سے آشنا ہوں، خود کامل اور مکمل مسلمان ہوں، اسلامی تہذیب وکلچر کی اہمیت وافادیت اور اس کے سلسلے میں مکمل معلومات ان کے پاس موجود ہوں، تب وہ با آسانی اور صحیح طریقے پر اپنے بچوں کی تربیت کر سکیں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرۃً مسلمان ہوتا ہے، مگر اس کے والدین اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں یا پھر مجوسی بنا دیتے ہیں''۔ اللہ کے پیارے رسول، مصلح اعظم، غمخوار امت اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کی ترغیب دو! اور دس سال کا ہونے کے بعد نماز نہ پڑھے تو اس کو مارو! (ابوداؤد)

حضرت لقمان کا قول ہے کہ باپ کی سزا اولاد کے لیے ایسی ہے جیسے کھیتی کے لیے پانی بے جا لاڈ وپیار، محبت کے اظہار سے بچہ خراب ہو جاتا ہے، اس کا مستقبل تاریک اور زندگی ناکارہ ہو جاتی ہے، ہاں حد سے زیادہ سختی بھی بچوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

ہمیں اپنے بچوں کو اچھا ماحول فراہم کرنا چاہیے، کیونکہ ماحول کا بچوں پر لازمی اثر پڑتا ہے، اور اگر ایک بچہ تنقید کے ماحول میں رہے تو وہ مذمت کرنا سیکھتا ہے، نفرت ودشمنی کے ماحول میں رہے تو لڑائی کرنا سیکھتا ہے، مذاق کے ماحول میں شرمیلا پن سیکھتا ہے، شرم کے ماحول ہو تو وہ خود کو مجرم محسوس کرنا سیکھتا ہے، برداشت کے ماحول میں صابر بننا سیکھتا ہے، حوصلہ افزائی کے ماحول میں خود اعتمادی سیکھتا ہے، تعریف کے ماحول میں تعریف کرنا (سراہنا) سیکھتا ہے، سچ کے ماحول میں انصاف کرنا سیکھتا ہے، تحفظ کے ماحول میں بھروسہ کرنا سیکھتا ہے، پسندیدگی کے ماحول میں اپنے آپ کو پسند کرنا سیکھتا ہے، مقبولیت اور دوستی کے ماحول میں دنیا میں محبت پانا سیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام مخلوقات میں اولاد کی پرورش کرنے اور اس کی نگہداشت کی مکمل ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے، ہر مخلوق خواہ وہ چرند وپرند ہو یا سانپ بچھو، سمندر کی مچھلیاں ہو یا حشرات الارض کیڑے مکوڑے سبھی یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا بچہ اپنی زندگی گذارنے میں خود کفیل ہو جائے، اس کے بدن میں طاقت، زبان میں بولی اور بازوؤں میں اڑنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اس کے لیے وہ بڑی محنت ومشقت کرتے ہیں، چنانچہ یہ قرآن مجید بار بار یاد دلاتا ہے کہ یہ دنیا بے حقیقت اور ناپائدار ہے، اصل اعتبار آخرت کا ہے، اس لیے اس دنیائے فانی کی خاطر آخرت نہ برباد کی جائے جو ابدی اور باقی رہنے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورہ الشوریٰ میں فرمایا: ''تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ حیات دنیا کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (اس سے) بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور جو اللہ پر توکل کرتے ہیں''۔ اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ (ختم نہ ہوگا بلکہ) باقی رہے گا اور صبر کرنے والوں کو ہم ان کے بہترین اعمال کا اجر ضرور دیں گے''۔

آخرت کی کامیابی ''فوز عظیم اور وہاں کی ناکامی'' ''خسران مبین'' ہے وہ شخص بامراد ہے جو اس فوز عظیم کو پالے اور وہ سخت خسارے میں ہے جو وہاں ناکام قرار پائے اس کے لیے کامیابی کی تمام راہیں مسدود ہوں گی..... (بقیہ صفحہ نمبر ۳۶ پر)

اذان دنیا میں ہر وقت گونجنے والی آواز

☆ فجر کی اذان کا آغاز انڈونیشیا سے شروع ہو کر سماٹرا اور ملایا پہنچتا ہے۔

☆ سرینگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا وقت ایک ہی ہے، بعد میں کوئٹہ اور کراچی کا ہے۔

☆ فجر کی اذان بحر اوقیانوس پہنچنے تک انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے۔

☆ کرۂ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گذرتا جب اذان نہیں ہو رہی ہو۔

ایک بین الاقوامی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ نماز کی اذان دنیا بھر میں ہر وقت گونجنے والی آواز ہے، ہر روز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے طلوع آفتاب کے ساتھ فجر کی اذان شروع ہو جاتی ہے اور بیک وقت ہزاروں مؤذن اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر تک چلا جاتا ہے ڈیڑھ گھنٹے بعد یہ سلسلہ سماٹرا مین شروع ہو جاتا ہے اور سماٹرا کے قصبوں اور دیہات میں اذانیں شروع ہونے سے پہلے ہی ملایا کی مساجد میں اذانیں ہونے لگتی ہیں، یہ سلسلہ ایک گھنٹے بعد ڈھاکہ جا پہنچتا ہے، بنگلہ دیش میں ابھی اذانیں ختم نہیں ہوتیں کہ کلکتہ سے سری لنکا تک فجر کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں، دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے ممبئی تک پہنچتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید رسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے، رپورٹ کے مطابق سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا وقت ایک ہی وقت ہے، سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک 40 منٹ ہے، اس عرصہ میں فجر کی اذانیں پاکستان میں گونجتی رہتی ہیں، پاکستان میں یہ سلسلہ شروع ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں اذانیں شروع ہو جاتی ہیں، مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹے کا فرق ہے، اس عرصہ میں اذانیں سعودی عرب، یمن، متحدہ عرب امارات، کویت اور عراق تک گونجتی رہتی ہیں، بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹے کا فرق ہے، اس وقت شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں، اسکندریہ اور استنبول ایک طول وعرض پر واقع ہیں، وہاں سے مشرقی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے، اس دوران ترکی میں اذانیں شروع ہو جاتی ہیں، اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹے کا فرق ہے، اس عرصہ میں شمالی امریکہ، لیبیا اور تیونس میں اذانیں ہونے لگتی ہیں، یوں فجر کی اذان جس کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے شروع ہوا تھا ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کر کے بحر اوقیانوس تک پہنچنے سے پہلے مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے، اس طرح کرہ ارض پر ایک بھی سیکنڈ ایسا نہیں گزرتا ہوگا جب سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں مؤذن اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

بقیہ: اولاد کی تربیت کا اسلامی طریقہ

آخرت کی کامیابی دراصل سب سے بڑی کامیابی ہے، جنت کی جبیں نعمتوں کا شمار تصور کے باہر اور دوزخ کا عالم یہ کہ اگر ایک عذاب کے بارے میں سن لے تو جسم کے تمام رونگٹے کھڑے ہو جائیں وحشت طاری ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران میں فرماتے ہیں: ”ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور قیامت کے روز تمہیں پورا پورا بدلہ ملے گا، پھر جو آتش دوزخ سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے وہ کامیاب ہوا، اور یہ دنیا کی زندگی تو محض دھوکہ کا سامان ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جسے ہر دم پیش نظر رہنا چاہیے، یہی احساس ہے جو اولاد کی پرورش میں کارفرما رہنا چاہیے، اسے فراموش کرنے کے بعد آخرت کی ابدی کامیابی کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف ناکامی رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں اپنے فضل سے نوازے، ہمیں اور ہماری اولاد ہم سب کو آخرت کی تیاری کرنے اور اپنے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ (آمین)

آپ کے دینی سوالات اوران کے جوابات

(آپ اپنے دینی سوالات ہماری ویب سائٹ پر بھی پوچھ سکتے ہیں) www.abulhasanalinadwi.org

ضبط ولادت

سوال: کیا اپنی سہولت یا جسمانی صحت کے اعتبار سے دو بچوں کے درمیان فصل کرسکتے ہیں؟ (سید فاروق علی، اندور)

جواب: صرف دوصورتوں میں بچوں کے مابین فصل کرنے کی اجازت ہے:

(۱) عورت کی صحت پر منفی اثر پرنے کا اندیشہ ہو جس کے بارے میں کوئی معتبر ڈاکٹر مشورہ دے۔

(۲) بچوں کو مناسب مقدار میں ماں کا دودھ نہ ملنے کا اندیشہ ہو۔

نزول قرآن سے قبل نماز

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کیا تلاوت کرتے تھے اس وقت جب قرآن نازل نہیں ہوا تھا؟ (شیخ امیر محی الدین، پونے)

جواب: نماز جن کیفیات اور ہیئات کے ساتھ آج ادا کی جاتی ہے یہ مدنی دور میں بتائی گئی ہیں، ابتدائے اسلام میں یہ کیفیات مکمل طور سے نہیں تھیں، قراءت کا حکم بعد میں دیا گیا ہے۔

تاریخ اسلام پر مبنی فلمیں

سوال: آج کل کچھ اسلامی فلمیں بن رہی ہیں جس میں صحابہ اور انبیاء کرام کو دکھایا جاتا ہے، کیا ایسی فلمیں دیکھنا جائز ہے؟ (ذیشان احمد، نئی دہلی)

جواب: فلموں میں جو صحابہ اور انبیاء کی جو تصویر پیش کی جاتی ہے وہ ان کے مرتبہ اور تقدس سے بہت گھٹیا ہے، اداکار بھی فاسق، فاجر اور کافر تک ہوتے ہیں۔ اس طرح کی فلموں سے ان کا مقام نیچا ہوتا ہے، اور ہم اس کو دیکھ کر گنہگار ہوتے ہیں، اور یہ عظمت صحابہ کے خلاف ہے، اس لیے ایمانی تقاضا ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔

عید الفطر کی نماز

سوال: عید الفطر کی پہلی رکعت میں اگر کسی کی تکبیریں چھوٹ جائیں تو نماز کیسے پوری کریں گے؟ (محمد سلیم شیخ، ممبئی)

جواب: اگر دو تکبیرات چھوٹنے کے ساتھ ہی آپ کو نماز مل گئی ہو تو امام کے ساتھ تکبیرات پوری کرنے کے بعد فوراً ہی اپنی چھوٹی ہوئی تکبیرات پوری کرلیں۔

سودی کاروبار میں ملازمت

سوال: LIC اور RCM میں کام کرنا کیسا ہے، جب کہ ان میں سودی رقوم کا استعمال ہوتا ہے؟ (شاہد، چمپارن-بہار)

جواب: اس طرح کی خالص سودی کاروبار والی کمپنیوں میں کام کرنا جائز نہیں ہے۔

حجاب

سوال: کیا عورت کی انگلی پردہ میں شامل ہے؟ (مستقیم باپو، گودھرا)

جواب: عورت کی انگلی پردہ میں شامل نہیں ہے۔

تعلیم کے لیے سودی قرض

سوال: کیا میں اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے سود پر رقم لے سکتا ہوں؟ جب کہ خاندان میں کوئی بھی اتنی رقم نہیں دے سکتا ہے۔ (صبغۃ اللہ، حیدرآباد)

جواب: سود پر رقم نہیں لی جاسکتی ہے۔

نفل نماز کا حکم

سوال: کیا ہم نفل نماز فرض نمازوں کے فوراً بعد پڑھ سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی نفل نمازیں مرحومین کو ایصال ثواب کرسکتے ہیں؟ (اقصیٰ، لکھنؤ)

جواب: نفل نماز، فرض نمازوں کے فوراً بعد پڑھ سکتے ہیں، اور نفل نمازوں کے ذریعہ مرحومین کو ایصال ثواب بھی کرسکتے ہیں۔

ٹخنے سے نیچے پائجامہ پہننا

سوال: پائجاما ٹخنے کے نیچے پہننا کیسا ہے؟ کیا یہ حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے؟ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔

جواب: گھمنڈ کے سبب پائجامہ کو ٹخنوں کے نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، بخاری شریف کے اندر ہے کہ جو شخص اپنے ازار کو گھمنڈ کی وجہ سے ٹخنوں کے نیچے لٹکائے گا تو اللہ اس کی طرف نظر کرم بھی نہ فرمائے گا (بخاری، حدیث: ۵۷۸۳) اور اگر ایسی نیت نہیں ہے تو مکروہ تنزیہی ہے، بہرحال احتیاط بہتر ہے۔

محمد نفیس خاں ندوی

مسلم لڑکیاں
تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری

آج کل کے ماحول میں یہ شکایت عام ہوتی جارہی ہے کہ لڑکیاں پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اچھی اور نیک بیویاں نہیں ثابت ہورہی ہیں، وہ غالب وہ اقبال، شکسپئر، اور ڈانٹے کے ادبی نکات کو تو بخوبی سمجھتی ہیں لیکن عملی اور معاشرتی زندگی کے حقائق سے ناواقف ہیں، آرائش جمال کے جدید ترین طریقوں سے آشنا لیکن اخلاق وسیرت کی خوبیوں سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہ شکایت دنیا کے ہر ملک میں عام ہے، اور لڑکیوں میں اس نقص کو پوری شدت کے ساتھ محسوس بھی کیا جارہا ہے لیکن اس کا کوئی مداوا ان کے پاس نہیں، جب شدت احساس سے وہ بے خود ہوجاتے ہیں تو کوئی تربیت سینٹر کھول دیتے ہیں یا پھر کسی سیمینار کا انعقاد کردیتے ہیں مگر اس پیدا شدہ نقص کو دور کرنے میں ناکامی ہی ہوتی ہے۔

اس صورتحال کا سامنا مسلم معاشرہ کو بھی ہے اور یہ وبا پوری تیزی کے ساتھ شریف گھرانوں میں بھی پہنچ رہی ہے، اب تک اس بات کا رونا تھا کہ مسلم گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم کا اہتمام نہیں لیکن اب تعلیم پر پوری توجہ ہے پھر بھی معاشرہ محبت کرنے والی ماؤں، وفا شعار بیویوں اور سلیقہ مند، دین پسند بہن بیٹیوں سے محروم ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے مسلمانوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر توجہ ضرور دی لیکن غلط ڈھنگ پر، ایسے اسکولوں میں تعلیم دلائی جاتی ہے جہاں کا نظام مخلوط ہے یا پھر ایسا نصاب پڑھوایا جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ بے راہ روی و دین بیزاری ہے، والدین مطمئن ہیں کہ انھوں نے اپنی بچیوں کو پڑھنے میں لگادیا مگر پھر اس کی فکر نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہی ہیں اور ان کو جو ماحول مل رہا ہے وہ کس قدر سازگار ہے؟!

ابتدائی دور میں تعلیم کے ساتھ تربیت جزء لاینفک کی طرح ہوا کرتی تھی مگر اب تعلیم محض تعلیم ہے، اسکولوں اور کالجوں میں اخلاقی اقدار، پاکیزہ معاشرت پر روز نہیں بلکہ کتابوں کے پڑھا دینے یا نفس مضمون کے رٹا دینے اور اس کے متعلق نوٹس تیار کرادینے پر زیادہ توجہ ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے بے جا اختلاط پر نہ کوئی روک ٹوک ہے اور نہ ہوٹل بازی و پارک بازی پر کوئی قدغن، گویا تعلیم وتربیت دونوں الگ الگ جزء ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج کی لڑکیاں تعلیم یافتہ تو ہوتی ہیں لیکن تربیت یافتہ بہت ہی کم!

تعلیم کے ساتھ تربیت کے اس فقدان کو گھر کے ماحول میں دور کیا جاسکتا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ جتنی اچھی تربیت والدین کر سکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں کرسکتا بشرطیکہ انھیں اس کا احساس ہو اور پوری فکر بھی، پرانے دور میں جب تعلیم کی کمی تھی، والدین میں یہ احساس پوری شدت سے کارفرما تھا، تربیت کے معاملہ میں کسی طرح کی تساہلی یا بے اعتنائی گوارہ نہیں کی جاتی تھی، چنانچہ اس وقت کی لڑکیاں امور خانہ داری میں ماہر بھی ہوتی تھیں اور ساتھ ہی ان میں حد درجہ کا تحمل بھی ہوتا تھا، اچھی بری بات برداشت کرنے کا غیر معمولی مادہ ہوتا تھا، وہ جس گھر اور ماحول میں جاتی تھیں اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگ لیتی تھیں، ان کی کسی بات سے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا، کوئی بات مرضی کے خلاف ہوتی تو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی تھیں، سسرال والوں کی کمزوریوں کو زبان پر نہ لاتی تھیں، شوہر میں اگر خامی ہوتی تو اسے نظر انداز کرکے اس کی خوبیوں پر نظر رکھتیں اور اپنی محبت والفت سے اس خامی کو دور کرنے کی کوشش کرتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی کی برکت ونصرت ان کے شامل حال رہتی تھی، ان کی زندگیاں خوشگوار اور گھر جنت کا نمونہ ہوا کرتا تھا، ایسی ہی بیویوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا کی سب سے قیمتی متاع قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا "خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ" یعنی نیک عورت

دنیا کا سب سے بہترین متاع ہے۔

لیکن آج کل کی لڑکیاں تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ان خوبیوں سے تہی دامن ہیں، اعلیٰ اخلاقی قدروں کا ان میں فقدان ہے، وہ اپنی مرضی کے خلاف چھوٹی سی بات بھی گوارہ نہیں کرسکتیں، سسرال والوں کی کمزوریوں کو تلاش کرنا پھر اس کو اچھالنا ان کی عادت سی بنتی جارہی ہے، اپنی چکنی چپڑی باتوں اور ظاہری نمائش سے شوہر کو گھر والوں سے بدظن کرتیں اور پھر ان کو علیحدگی پر آمادہ کرتی ہیں ،اخراجات میں ذرا بھی کمی ہو جائے تو سارے احسانات ومحبت کو فراموش کرکے گھر سر پر اٹھالیتی ہیں، اور اگر پیسوں کی زیادتی ہوتو نت نئے فیشن میں بے دریغ خرچ کرتی ہیں، اگر اپنے ساتھ جہیز کی لعنت لے کر آئی ہے تو اس کا غرور اس کے سر چڑھ کر بولتا ہے، اور پھر پورے گھر کو متعفن ہونے میں دیر نہیں لگتی، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ آج کل کی لڑکیوں کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گذرتا ہے، اور اگر گھر میں رہتی ہیں تو اکثر موبائل فون پر مصروف رہتی ہیں، تعلیم کے نام ان کو پر ساری آزادیاں حاصل ہیں، عریانیت کے سیل رواں کے سامنے ان کے پاؤں ٹک نہیں پارہے ہیں، اور اس کے تیز بہاؤ میں ان کے چہرے کا نور، آنکھوں کی حیا، باتوں میں شرم، سر کا ڈپٹہ، اور رہن سہن سے نسوانیت سب کچھ بہا چلا جارہا ہے، پھر بھی وہ خوش ہیں کہ وہ زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور شانہ بشانہ ہیں۔ اور والدین مطمئن ہیں کہ اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کررہے ہیں۔

یورپ وامریکہ اور مغرب زدہ گھرانوں کی حالت ہمارے سامنے ہے، جہاں لڑکیوں کی تعلیم کا گراف سب سے اونچا ہے، تقریباً سبھی لڑکیاں پڑھی لکھی ہوتی ہیں، لیکن اخلاقی انارکی، نفسانیت اور عریانیت کی وبا ان میں بالکل عام ہے، شادی کے بغیر ہی ہنی مون کوئی معیوب چیز نہیں۔ تقریباً پچاس فیصد لڑکیاں شادی کے بعد طلاق لے لیتی ہیں یا خود دے دیتی ہیں، اور باقی کے تعلقات ان کے شوہروں کے ساتھ بس رسمی سے ہوتے ہیں، ان کے مابین رشتہ ایک سمجھوتہ کے تحت ٹکا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اب کسی رشتہ سے جڑے بغیر تنہا رہنے کی عام ذہنیت پیدا ہوتی جارہی ہے، اس پر طرفہ یہ کہ اسے ''روشن خیالی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ظاہری چمک دمک نیز مصنوعی غازہ کی اوٹ میں اضطراب وپریشانی، ذہنی وفکری کشاکش اور اعصابی تناؤ کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے چشم پوشی برتی جاتی ہے، اس اخلاقی وثقافتی گراوٹ کی وجہ یہی ہے کہ وہاں لڑکیاں تعلیم یافتہ تو ضرور ہیں مگر تربیت یافتہ نہیں، بڑی بڑی ڈگریاں تو ان کو ضرور ان کو تفویض کی جاتی ہیں مگر ساتھ میں یہ نہیں بتایا جاتا کہ لڑکی کا سب سے بڑا خزانہ اس کی عفت وپاکدامنی ہے، اس کی شرم وحیا ہی اس کا گہنہ اور اس کا سنگار ہے، شادی کے بعد اپنے گھر کو پوری دیانت داری کے ساتھ سنبھالنا، اولاد کی تربیت اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں مؤثر کردار نبھانا اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے، لیکن تف ہے ان کی طبیعتوں پر جن کی افتاد کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ گھروں کے پرسکون ماحول کے بجائے ریسٹورینٹ، ہوٹل، اور تفریحی پارکوں میں وقت بتانا زیادہ بہتر سمجھتی ہیں، حتی کہ اولاد کا پیدا کرنا، ان کا پالن پوسن کرنا' ان کی نسوانیت کے منافی ہے کہ اس سے ان کا حسن وجمال متاثر ہوتا ہے اور ان کی جسمانی ساخت بگڑ جاتی ہے، چنانچہ ایسے ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں جن سے اولاد ہی پیدا نہ ہو، اور اگر غلطی سے حمل ٹھہر بھی جاتا ہے تو اس کے اسقاط میں کوئی تکلف نہیں ہوتا ہے۔

مغرب کی ناقص تعلیم کے ساتھ وہاں کی تمام اخلاقی بیماریاں بھی مسلمانوں میں پھیلتی جارہی ہیں، اور یہ ایک ایسا سیل رواں ہے کہ اس میں ایمان تک بہا جارہا ہے، ایسے نازک حالات میں والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنی بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت پر خاص توجہ دیں، صرف تعلیم دلانا ہی کافی نہیں، بلکہ تربیت بھی ضروری ہے، اور اگر تربیت نہ ہوئی تو ایسا علم مفید ہونے کے بجائے وبال جان ووبال ایمان بھی ثابت ہوسکتا ہے، اور روز قیامت یہی علم خلاف گواہی دے گا، اور اس کی گرفت سے والدین وسرپرست بھی نہ بچ سکیں گے،

لہٰذا ضرورت ہے کہ گھر کے ماحول میں لڑکیوں کی تربیت کا پورا نظم ہو، انھیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دی جائے، اسکولوں میں پڑھائے جانے والے اسباق کا جائزہ لیا جائے اور اس کے فاسد پہلوؤں کو چھانٹ کر مفید باتوں کو سمجھایا جائے .....(بقیہ صفحہ ۴۰ پر)

اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں چار نکاتی پروگرام

(۱) تعلیم کا اسلام سے گہرا تعلق ہے، پوری دنیا پر مسلمان اس وقت تک چھائے رہے اور امن وسکون قائم رہا جب تک انہوں نے علم کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی، ضروری ہے کہ مسلمان دو بارہ اس کی طرف توجہ کریں، اور محلّہ محلّہ گاؤں گاؤں سروے کرکے ان بچوں پر خاص توجہ دیں جو تعلیم حاصل نہیں کر رہے ہیں، ہر ممکن طریقہ سے ان کو تعلیمی اداروں سے جوڑنے کی کوشش کریں۔

(۲) اسلام کا رشتہ مسلمانوں سے ٹوٹتا جارہا ہے، خاص طور پر اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جارہا ہے، اس سے مسلمان آہستہ آہستہ دین سے کٹتے جارہے ہیں، اس کے سدِ باب کے لیے ضروری ہے کہ اسکولوں میں پڑھنے والے بچے اور بچیوں کے لیے مسجد مسجد، محلّہ محلّہ صبح وشام کی دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اور اس کے لیے مکاتب قائم کیے جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ آئندہ آنے والی نسل ارتداد کا شکار نہ ہوجائے۔

(۳) جس چیز سے اس وقت مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، وہ آپس کی لڑائیاں، جھگڑے اور مقدمہ بازیاں ہیں، ہر ممکن کوشش کرکے صلح صفائی کرائی جائے اور مقدمات عدالتوں میں لے جانے کے بجائے دار القضاء میں لائے جائیں اور اسلامی شریعت کے مطابق جو فیصلے ہوں ان کو ہر فریق دل کی خوشی کے ساتھ تسلیم کرے کہ درحقیقت یہ فیصلہ حضور پاک ﷺ کا فیصلہ ہے، اس میں دین کی بھی سلامتی ہے اور دنیا کی بھی۔

(۴) اسلامی سماج کے لیے جو چیز ناسور بنتی جارہی ہے وہ سماج کی خرابیاں ہیں، سود، جوا، لاٹری، سٹہ، شادی بیاہ میں بے جا اسراف اور فضول رسمیں۔ محلّہ محلّہ، گاؤں گاؤں ان برائیوں کو مٹانے کی کوششیں کی جائیں، اور ان کے لیے جو ہوسکے تدابیر اختیار کی جائیں۔

طریقہ کار

اصلاح معاشرہ کے لیے ان مذکورہ بالا چار کاموں کی بڑی ضرورت ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ محلّہ محلّہ اور گاؤں گاؤں لوگوں کی ایک تعداد فکر مندی کے ساتھ کھڑی ہوجائے، جن میں بزرگ حضرات بھی ہوں، جن کے مشوروں اور سرپرستی میں کام آگے بڑھ سکے اور فکر مند نوجوان بھی ہوں جن کی قوت عمل اور جذبہ سے ملت کو فائدہ پہنچے۔

محلّہ کے ذمہ دار حضرات ہفتہ میں ایک دن طے کرلیں جس میں مشورہ کریں اور گذشتہ کاموں کا جائزہ لیں، اور آئندہ کاموں کے لیے طریقہ کار طے کریں۔

یہ چار کام اگر پوری فکر مندی اور لگن سے کرلیے گئے تو انشاء اللہ جلد ہی اس کے نتائج سامنے آئیں گے اور مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بنے گا جو دوسروں کے لیے بھی نمونہ ہوگا اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی۔

بقیہ: مسلم لڑکیاں-تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری

اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا عادی بنایا جائے، اور مسنون دعاؤں کو یاد کرایا جائے، پھر انشاء اللہ ہمارے معاشرہ میں پاک سیرت بہنوں، بیٹیوں اور تربیت کرنے والی نیک ماؤں کی کمی نہ ہوگی، اور پورا معاشرہ اسلامی تعلیمات کا پرتو اور پوری دنیا کے لیے نمونہ اور ذریعہ ہدایت ہوگا۔ اگر یہ کوششیں کامیاب ہوگئیں تو روز محشر اللہ کے رسول ﷺ کی معیت نصیب ہوگی، جیسا کہ خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا، ان کی شادی کرائی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھا تو قیامت کے دن وہ میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ (آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر اشارہ فرمایا)۔

اگر اس طرف توجہ نہ دی گئی اندیشہ ہے کہ ہماری معاشرت بھی مغربی معاشرت کی طرح تباہ اور برباد ہوجائے، لڑکیوں کی ظاہری ٹیپ ٹاپ ہماری معاشرت کے لیے قطعی ناکارہ ہے، ظاہری نمائش سے کہیں زیادہ باطنی خوبصورتی کی ضرورت ہے، اور یہ باطنی خوبیاں اخلاق اور مذہب کی تعلیم نیز اچھی تربیت کے بغیر بالکل پیدا نہیں ہوسکتی، البتہ اس کے لیے ضرورت ہے اپنی ہی گھر سے آغاز کرنے کی، بچپن سے ہی دینی ماحول بنانے اور پاکیزہ فضا پیدا کرنے کی۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی کی مطبوعات

اردو مطبوعات

(۱) حدیث نبوی ﷺ (از-علامہ عبدالحی حسنیؒ) -/120

(۲) قرآنی افادات -/250

(۳) سیرت رسول اکرم ﷺ -/150

(۴) رمضان المبارک اور اس کے تقاضے -/80

(۵) اسلام کے تین بنیادی عقائد -/80

(۶) مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی -/30

(۷) مالیات کا اسلامی نظام -/30

(۸) میری علمی ومطالعاتی زندگی -/30

(۹) حیات عبدالحی زیر طبع

(۱۰) تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سیّد عبدالعلی -/50
از-حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

(۱۱) مکتوبات مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (اول) -/80

(۱۲) مکتوبات مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (دوم) -/150
مرتب مولانا حمزہ حسنی ندوی

(۱۳) تاریخ تدوین حدیث (از-علامہ عبدالرشید نعمانیؒ) -/110

(۱۴) خانوادۂ علم اللّٰہی -/150

(۱۵) صادقین صادق پور -/55

(۱۶) مشہد بالاکوٹ (از-حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ) -/18

(۱۷) قرآن آپ سے مخاطب ہے -/50

(۱۸) تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ -/70

(۱۹) جادۂ فکر وعمل (از-مولانا محمد الحسنیؒ) -/60

(۲۰) امت مسلمہ (رہبر اور مثالی امت) -/110
از-مولانا محمد رابع حسنی ندوی

(۲۱) تذکرہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ -/35
از-مولانا مجیب اللہ ندویؒ

(۲۲) نیک صحبت کی ضرورت (از-مولانا عبداللہ حسنی ندوی) -/22

(۲۳) حدیث کی روشنی -/30

(۲۴) سوانح مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ -/200

(۲۵) حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ دعوت وفکر کے اہم پہلو -/140

(۲۶) اصلاح معاشرہ -/80
از-بلال عبدالحی حسنی ندوی

(۲۷) تجہیز وتکفین کتاب وسنت کی روشنی میں -/60

(۲۸) مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال -/150
از مفتی راشد حسین ندوی

عربی کتب

(۲۹) تنویر الآفاق فی شرح تهذیب الأخلاق زیر طبع

(۳۰) الهند فی العهد الإسلامی زیر طبع

(۳۱) الغناء فی الإسلام (از-علامہ عبدالحی حسنی) -/65

(۳۲) إذا هبت ریح الإیمان -/80
از-حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

(۳۳) شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر -/140
از-علامہ وجیہ الدین گجراتی

(۳۴) مع الحقیقة -/50

(۳۵) أضواء علی الطریق (از-مولانا محمد الحسنیؒ) -/50

(۳۶) مبادی و أصول فی علم حدیث الرسول ﷺ -/18
از-بلال عبدالحی حسنی ندوی

(۳۷) الفقه المیسر (از-مفتی راشد حسین ندوی) -/200

انگریزی کتب

(38) The Economic Order In Islam Rs.30/-
By Maulana Abul Hasan Ali Nadwi
(Translated By Ehsanul Haque Nadwi)

(39) Muhammad-The Last Prophet Rs. 170/-
By Maulana Abul Hasan Ali Nadwi
(Translated by Shah Ebadur Rahman)

Sayyid Ahmad Shaheed Academy
Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) (Mob:9918385097)
رابطہ:

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

VOLUME 4

APRIL-MAY 2012

ISSUE 04-05

جملہ مسلمانان ہند کو

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے

بائیسویں اجلاس عام کی مبارک باد

آؤ ہم عہد کریں

آؤ اس اہم اور مبارک موقع پر ہم عہد کریں:

ہم عہد کریں کہ ہم قرآن کریم، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، شہدائے اسلام، فقہائے عظام، سمیت جملہ اسلاف امت کے عزت وناموس کی پوری حفاظت کریں گے۔

ہم اسلامی تعلیمات، اسلامی شعائر اور اسلامی تشخص کے کسی بھی پہلو کو مٹنے نہیں دیں گے، اور عملی طور پر اس کی حفاظت کریں گے۔

ہم مسلم معاشرہ میں غیروں کے رائج کردہ جملہ غیر شرعی امور خصوصاً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے والے عمل سے مکمل اجتناب کریں گے۔

ہم مخلوط اجتماعات، کھڑے ہو کر کھانے پینے، بارات وموسیقی ودیگر غیر اسلامی تقریبات سے اپنی شادی، بیاہ کو پاک رکھیں گے۔

ہم تلک وجہیز کی رسموں کا مکمل بائیکاٹ کریں گے، نہ خود جہیز لیں گے اور نہ لڑکی کے سرپرستوں کی طرف سے اس کی پیش کش قبول کریں گے۔

ہم اپنے بچوں کی ضروری دینی تعلیم کا مکمل انتظام کریں گے۔

ہم اپنے ہر طرح کے اختلافات ونزاعات کا حل اسلامی دارالقضا کے ذریعہ ہی کرائیں گے۔

اللہ ہم سب کو توفیق دے۔

شیراز الدین
کنوینر: اصلاح معاشرہ کمیٹی (ضلع لکھنؤ)
صدر: مولانا علی میاں ندوی فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) لکھنؤ
پوسٹ باکس نمبر-01، چوک، لکھنؤ

ہماری ویب سائٹ

www.abulhasanalinadwi.org

دار عرفات مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
کی سرگرمیوں اور اس کی پیش رفت سے واقفیت،
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقاریر،
تصنیفات، افکار، اور دیگر پہلوؤں سے متعلق معلومات
☆ درسِ قرآن ☆ درسِ حدیث
☆ رمضان المبارک کے خطاب ☆ توسیعی مقالات و
خطبات ☆ آپ کے دینی مسائل اور ان کا حل

دار عرفات مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) انڈیا
Mob.:9918818558

Our Daily Mobile SMS sevice

اپنے موبائل پر روزانہ اسلامی MSG حاصل کریں،
ٹائپ کریں Arafat اور بھیج دیں 56767 پر۔
نوٹ: یہ سروس بالکل مفت ہے اور DND نمبروں پر بھی جاری ہے۔

To get daily messages on your mobile, Just
Type: Arafat & Send it to : 56767
Please note:
This service completely free of cost & will
also work on DND activated Mobile numbers.

اس صفحہ پر اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ رابطہ: 09918818558

Designed by Mohammad Makky Hasani Nadwi

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli, U.P.
Mobile: 9918385097, 9918818558
E-Mail: markazulimam@gmail.com
www.abulhasanalinadwi.org

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi
On Behalf of: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi
Printed at S.A. Offset Printers, Masjid ke peeche, Phatak
Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli, U.P.